

# **DAMAGE BOOK**

188434



OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۵۰/۲-۲ Accession No. ۱۶۳۵۳

Author کتب و تاریخ ہند ۱۶۳۵۳

Title - ہندوستان کی تاریخ

This book should be returned on or before the date last marked below.



## تہذیب

کہتے ہیں کہ جب سر والٹر ریلے لندن کے قلعے میں قید تھے تو انہوں نے دنیا کی تاریخ لکھنی شروع کی۔ ایک دن انہوں نے اپنی کوکھڑی کی کھڑکی کے نیچے لڑائی جھگڑے کا شور سنا۔ انہوں نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک آدمی دوسرے کو ہلاک کر رہا ہے۔ انہوں نے اس لڑائی جھگڑے کی وجہ معلوم کرنا چاہی۔ جیل کے افسروں سے بار بار دریافت کیا مگر انہیں لڑائی کی اصلیت معلوم نہ ہو سکی۔ اس پر انہوں نے دنیا کی تاریخ لکھنا ترک کر دیا۔ اور اس کے لئے یہ دلیل پیش کی کہ جب میں ایک ایسے واقعہ کی اصلیت معلوم نہ کر سکا جو عین میری کوکھڑی کی کھڑکی کے نیچے ہوا ہے تو میں تاریخ کے ہزاروں سال پرانے واقعات کی اصلیت کیسے معلوم کر سکتا ہوں جن کی بنیاد پر تاریخ کی عمارت گھڑی ہوئی ہے۔

ہندوستان کی یہ چھوٹی سی تاریخ لکھتے وقت مجھے یہ کہانی بار بار یاد آتی تھی۔ بھلا کوئی آدمی ہندوستان کی ہزاروں سال لمبی کہانی کی تمام باتیں کیسے معلوم کر سکتا ہے؟ اس لئے میں اس کتاب کو نہایت انکساری کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔ یہ کتاب اُن خیالات اور بڑے بڑے واقعات کا صرف ایک چھوٹا سا خاکہ ہے جن سے ہمارے ملک کی کہانی بنی ہے۔ اسے ہندوستان کی ایک چھوٹی سی تاریخ لکھنے کی بہت ہی معمولی کوشش سمجھنا چاہئے

یہ چھوٹے چھوٹے بچوں اور بچیوں جیسے سادہ لوح (۹ سال سے ۹۰ سال تک) لوگوں کے لئے لکھی گئی ہے جو اس مضمون کو شروع کریں گے۔ یہ کتاب ان میں تاریخ کے مطالعہ کا ذوق پیدا کریگی۔ اس تاریخ کو لکھنے وقت اگر میں نے کوئی سبق سیکھا ہے تو وہ صرف یہ کہ ہماری تاریخ کے ہر سنہری زمانے میں، خواہ وہ ایشیا کا ہو یا چندرگپت یا اکبر کا، ہندوستان کے باشندوں میں مضبوط اتحاد اور رکھ رکھاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے ان کو ہر قسم کے علوم و فنون میں ترقی کرنے کا موقع ملتا تھا۔ ہماری شاعری، ہماری مصوری، ہماری سنگ تراشی اور ہمارے ملک کی دستکاری، یہ سب چیزیں ہمارے آباد و اجداد کے نادر خیالات، اور سرگرمی سے کام کرنے کا نتیجہ ہیں۔ تاریخ میں اس کی مثال صرف قدیم چین، یونان اور اس زمانے کے یورپ میں ملتی ہے جب وہاں دور نشاۃ الثانیہ شروع ہوا تھا۔ ترقی کرنے اور ایجاد و اختراع کا جوش اب بھی ہمارے دلوں میں موجزن ہے۔ وہ سب چیزیں جن سے ایک نئی دنیا کی تعبیر کی جاتی ہے وہیں سائنس سے مل سکتی ہیں۔ اب صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے اندر خود اعتمادی کا احساس پیدا ہو تو ہم ایسی دنیا کی تعبیر کر سکتے ہیں جس میں کوئی آدمی ننگا بھوکا نہ رہے، جس میں ہر آدمی کو صحیح معنوں میں انسان بننے کا موقع مل سکے اور ایسی نئی چیزیں بنائیں جن سے ہمارا ملک ایک بار پھر چمک اٹھے۔

ملک راج آنند

بمبئی ۲۰ جولائی ۱۹۱۷ء

# ہندوستان کی کہانی

زمانہ قدیم میں جب دنیا نئی نئی بنی تھی، تو ہمارا ملک ایسا نہ تھا جیسا کہ آج کل ہے۔ اس وقت سے اب تک اتنے سال گزر چکے ہیں کہ اگر ہم ان کا شمار کرنا چاہیں تو یہ اتنا ہی مشکل ہوگا جتنا کہ پھل کی ہری ہری کو نپلوں کو گننا۔

اس زمانے میں زمین کی ساخت بھی کچھ اور ہی تھی۔ آج جہاں خشکی ہے، شاید وہاں اس وقت سمندر موج زن تھا۔ بڑے بڑے سیلاب، طوفان اور زلزلے آتے رہتے تھے۔ اس طرح ہمارے ملک کی موجودہ ساخت کے بننے میں ہزاروں سال لگے ہوں گے۔

جیسا کہ تم جانتے ہو، ہندوستان کی شکل ایک بڑے زاوے کے مانند ہے۔ شمال میں ہمالیہ کا کوہستانی سلسلہ ہے جو دنیا میں سب سے بلند پہاڑ ہے اور جس کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ اس پہاڑ سے نیچے وہ وسیع میدان پھیلے ہوئے ہیں جہاں تین بڑے بڑے دریا گنگا، سندھ اور برہم پتر بہتے ہیں۔ اس سے

آگے وندھیا چل کا پہاڑی سلسلہ آتا ہے۔ اور ان کے بعد دکن کا حدب ہے، جہاں نربدا، تاپتی، مہاندی کرشنا اور کاویری دریا بہتے ہیں۔ اس زاوئے کے ایک گوشے پر مغربی گھاٹ اور دوسرے پر مشرقی گھاٹ واقع ہیں۔ اس کماری اس کے نچلے سرے پر ہے۔ لنکا جو بحر ہند میں اس وقت ایک جزیرہ ہے، کسی وقت ہندوستان ہی سے ملتی ہوگا۔

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ جس میں بہت سے پہاڑ، میدان، جھیلیں اور جنگل ہیں۔ انہیں ہوائیں اور دریا اس کی مٹی کو زرخیز بناتے ہیں۔

عام طور پر تاریخ کی کتابوں میں سن عیسوی کا حوالہ دیا جاتا ہے، جو حضرت عیسیٰ کی یوم پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ اور جب کسی ایسے واقعے کا ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰ سے پہلے وقوع پذیر ہوا تو اس کو قبل مسیح کہتے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ سے اتنے سال پہلے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے پانچ ہزار سال پہلے سے لے کر ان کی پیدائش تک ہندوستان میں مختلف اقوام، مختلف اوقات میں آکر بستی رہیں۔ کبھی کوئی قوم آئی کبھی کوئی۔ یہاں آکر انہوں نے خوب ترقی کی۔ ہم لوگ انہیں اقوام کی اولاد ہیں۔ مدفون شہروں کی کھدائی کرنے پر اس وقت کے لوگوں کی کھوپڑیاں ہمیں ملی ہیں۔ ان کھوپڑیوں اور تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ تین چار بلکہ اس سے بھی زیادہ قوموں کی نسل سے ہیں۔ جیسے جیسے

آگے وندھیا چل کا پہاڑی سلسلہ آتا ہے۔ اور ان کے بعد دکن کا حدب ہے، جہاں نربدا، تاپتی، ہانڈی کرشنا اور کاویری دریا بہتے ہیں۔ اس زاوے کے ایک گوشے پر مغربی گھاٹ اور دوسرے پر مشرقی گھاٹ واقع ہیں۔ راس کماری اس کے نچلے سرے پر ہے۔ لنکا جو بحر ہند میں اس وقت ایک جزیرہ ہے، کسی وقت ہندوستان ہی سے ملتی ہوگا۔

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ جس میں بہت سے پہاڑ، میدان، جھیلیں اور جنگل ہیں۔ نہروں ہوا ہیں اور دریا اس کی مٹی کو زرخیز بناتے ہیں۔

عام طور پر تاریخ کی کتابوں میں سن عیسوی کا حوالہ دیا جاتا ہے، جو حضرت عیسیٰ کی یوم پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ اور جب کسی ایسے واقعے کا ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰ سے پہلے وقوع پذیر ہوا تو اس کو قبل مسیح کہتے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ سے اتنے سال پہلے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے پانچ ہزار سال پہلے سے لے کر ان کی پیدائش تک ہندوستان میں مختلف اقوام، مختلف اوقات میں آکر بستی رہیں۔ کبھی کوئی قوم آئی کبھی کوئی۔ یہاں آکر انہوں نے خوب ترقی کی۔ ہم لوگ انہیں اقوام کی اولاد ہیں۔ مدفون مشہروں کی کھدائی کرنے پر اس وقت کے لوگوں کی کھوپڑیاں ہمیں ملی ہیں۔ ان کھوپڑیوں اور تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ تین چار بلکہ اس سے بھی زیادہ قوموں کی نسل سے ہیں۔ جیسے جیسے



نمانہ گذرتا گیا، ان قوموں میں باہمی ربط و ضبط بڑھتا گیا۔ ان قوموں میں سے بڑی اور اہم قومیں یہ ہیں :-  
 دراوڑ قوم — یہ لوگ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ خارس، عرب اور مصر میں بھی سب سے پہلے آباد ہوئے۔

رومی قوم — یہ لوگ دنیا کے اُن سارے ملکوں میں پھیل چکے تھے جنہیں اس وقت انسان نے دریافت کر لیا تھا۔ یہ لوگ دریائے گنگا کے کناروں سے لے کر اسپین، کھارین اور بحر روم کے اردگرد کے ملکوں میں آباد تھے۔

آریہ قوم — یہ لوگ وسط ایشیا کے گھاس کے میدانوں سے چل کر شمال مغربی دروں سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔

منگول قوم — یہ لوگ کئی بڑے بڑے گروہوں میں منقسم ہو کر ہندوستان آئے۔  
یہ لوگ کسی ایک مقام یا رقبہ زمین پر جم کر نہیں رہتے تھے بلکہ اپنے مویشی لے کر ایک جگہ سے  
دوسری جگہ عمدہ چراگاہوں کی تلاش میں پھرا کرتے تھے۔

ان کے علاوہ ہن، سنہین، عرب، پھان اور ایرانی اقوام بھی یہاں آئیں۔  
ان تمام اقوام میں سے جو یہاں آکر آباد ہوئیں وہ یہ ہیں۔ اور انہیں دو قوموں نے  
ہمارے ملک کی تاریخ پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے۔ ایک تو دراوڑ قوم، جو یہاں کی اصل  
قوم تھی اور دوسری آریہ قوم، جس نے بیرونی ممالک سے آکر ہندوستان فتح کیا اور یہاں  
سکونت پذیر ہو گئی۔

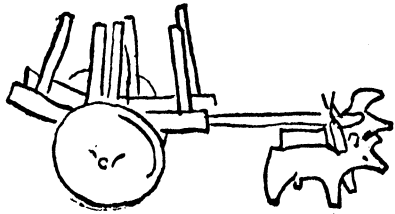
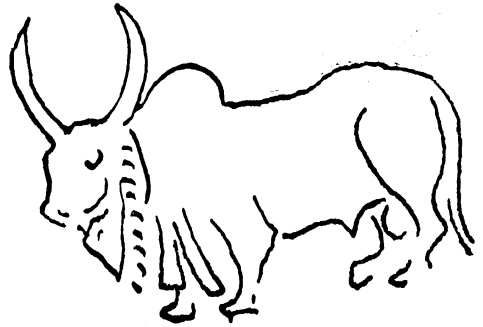
## موہن جو داڑ وا اور ہڑپہ

گذشتہ چند سال میں دریائے سندھ کی وادی میں دو مدفون شہر کھود کر نکالے گئے۔ جن سے اس زمانے کے تہذیب و تمدن کے متعلق بہت سی نئی نئی باتیں دریافت ہوئی ہیں۔ یہ دونوں شہر اس قدیم ترین زمانے کے ہیں جب کہ لوگوں کے دماغوں میں تاریخ نگاری کا خیال تک نہ آیا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام موہن جو داڑ ہے جو سو بہ سندھ میں واقع ہے، دوسرے کا نام ہڑپہ ہے جو پنجاب کے ضلع لائل پور میں ہے۔



صاف ظاہر ہے کہ اب سے پانچ ہزار سال قبل یا اس سے بھی زیادہ سال پیشتر ان علاقوں میں ایک شاندار اور مہذب قوم آباد تھی۔ جو لوگ وراوڑ قوم کی اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جن کو ”پروٹو دراویڈن“ کہتے ہیں۔ جہاں تک دریافت کیا جاسکا ہے یہی دریافت ہوا ہے کہ ان لوگوں کی تہذیب و دنیا میں قدیم ترین تہذیب تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کاشت کاری کرتے تھے۔ انہوں نے شہر آباد کئے اور انھیں عمدہ

سرلوگوں سے آراستہ کیا، گہری نالیاں نکالیں۔  
 پہیوں والی گاڑیاں سب سے پہلے انھیں لوگوں  
 نے بنائیں۔ ان لوگوں نے بڑے خوبصورت  
 مکانات تعمیر کئے تھے جن میں اعلیٰ قسم کے غسل  
 خانے بھی ہوتے تھے۔ یہ لوگ اپنی عورتوں کیلئے  
 دیدہ زیب زیورات بناتے تھے، سوت کات کر



کیڑا بٹنے اور کیڑے پر فن کارانہ کشیدہ کاری کرتے تھے۔  
 برتن بنانا جانتے تھے۔ پتھروں سے عمدہ مورتیاں نرانتے تھے  
 رقص و موسیقی سے بڑا شغف تھا۔ ان کی اپنی زبان تھی  
 جس میں وہ خط و کتابت کیا کرتے تھے، لیکن آج اس زبان  
 کا جاننے والا کوئی نہیں۔

یہ لوگ اپنے بچوں سے اسی طرح ہی شفقت و محبت سے پیش آتے تھے جس طرح ہم۔ یہ لوگ اپنے بچوں کیلئے

مٹی اور پتھر سے خوب صورت گھلونے گھڑتے تھے جیسے گڑیا، بھیریں، گھاڑیاں، سلی اور چڑیاں جو اپنی چونچیں  
 ادھر ادھر پھیر سکتی تھیں، پتھر اور بلور کی گویاں، جن سے آج کل بھی بچے کھیلتے ہیں۔  
 اس زمانے میں ماں کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ بچوں کو جنم دیتی تھی اور ان کی  
 نگہداشت کرتی تھی۔ موہن جو داڑو اور ہڑپہ میں ماں کو بہ حیثیت دیوی کے پوجا جاتا تھا۔ یہ بات  
 تعجب خیز ہے کہ کریٹ اور بحر روم کے اردگرد کے مالک اور مغربی یورپ کے بریلے مالک ناروے میں بھی  
 ماں کی پرستش اسی طرح کی جاتی تھی۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اس وقت کی مختلف قوموں میں لاپ تھا۔  
 اس وقت درختوں، پرندوں اور جانوروں کی پرستش بھی کی جاتی تھی۔ اور زمین کافی مقدار میں بلند اور  
 پھل دیتی تھی۔

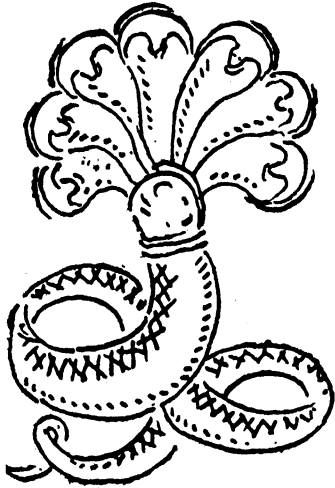
# دراوڑ قوم

جس زمانے میں موہن جو داڑھ و اور ہڑپہ آباد تھے اس وقت دراوڑی تہذیب کا ایک اور ٹکڑا روز افزوں ترنی کر رہا تھا۔ دراوڑوں نے زمین کی کاشت کے لئے ہل بنائے۔ یہ ہل ایسے ہی تھے جیسے آجکل استعمال ہوتے ہیں۔ اناج صاف کرنے کے لئے انہوں نے چوہی اور آرمی اوزار بنائے۔ اناج پینے کے لئے پیٹھر کی چکیاں ، اور کھانا کھانے کے لئے تانبے اور مٹی کے برتن بنائے۔ جب فصل تیار ہوتی اور وہ اٹھا کر گھر لے آتے تو جانوروں کی کھالوں کے ٹرھے ہوئے ڈھول بجا بجا کر خوب ناچتے گاتے تھے۔ آج ہمیں نال و مگر اور گیتوں سے جو لگاؤ ہے یہ اسی زمانے کے لوگوں سے پیدا ہوا۔ پہاڑوں اور دریاؤں کو دیکھ کر ان کے دل عجیب و غریب خیالات کی آماجگاہ بن جاتے تھے اور وہ طرح طرح کی خیالی



نصویریں بنانے لگتے تھے۔۔۔ انھیں قدرت کے ان عطیوں میں ایک پوشیدہ روح جان پڑتی تھی جسے وہ دیوی دیوتاؤں کا روپ دیدیا کرتے تھے۔ اسی لئے اس وقت یکیشٹوں (یعنی درختوں کی دیوی دیوتاؤں) نائٹوں اور بن دیولیوں، پریوں اور جل پریوں کی تصویریں پتھروں پر کھودی گئیں جو بڑی دلکش ہیں۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ دراوڑوں کو زندگی اور دولت سے بھرپور زمین سے کتنی محبت تھی، لیکن ساتھ ہی انھیں قدرت اور اس کی طاقتوں سے ڈر بھی لگتا تھا۔ اور ان پر قابو پانے کے لئے وہ جادو اور منتروں سے کام بھی لیتے تھے۔ آج کل ہم سائنس کی مدد سے قدرت کی طاقتوں پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔ دراوڑ دور دور تک مشہور ہو چکے تھے۔ دوسرے ملکوں کے لوگ یہاں کی زرخیز زمین کی کہانیاں سن سن کر ہندوستان کی طرف لپٹائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے اور اس زمانے ہی میں ہندوستان پر حملے شروع ہو گئے۔



## آریہ

آریہ، ہندوستان پر حملہ کرنے والی قوموں میں سب سے پہلی، قوم تھی۔ یہ لوگ خانہ بدوش تھے۔ جو خوراک اور مویشیوں کی عمدہ چراگاہوں کی تلاش میں جگہ بے جگہ گھومتے پھرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ وسط ایشیا کے میدانوں سے نکل کر ہندوستان میں شمال مغربی دروں سے داخل ہوئے۔ ان کا ایک بڑا گروہ مغرب کی سمت چلا گیا اور یورپ میں پھیل گیا، دوسرے گروہ نے ایران اور افغانستان کا رخ کیا اور وہاں سے سندھ اور گنگا کی وادی میں پھیل گیا۔

یہی وجہ ہے کہ مورخ یورپ اور ہندوستان کے لوگوں کو "نسلی بھائی" کہتے ہیں۔ ہندی اور یورپی اقوام و راصل ایک ہی آباد اجداد کی اولاد ہیں۔ یورپ اور ہندوستان کی زبانوں کی اصل شکل ایک ہی ہے۔

آریوں نے جس طرح یورپ پر فتح پائی تقریباً اسی طرح ہندوستان پر بھی فتح پائی۔ ان کے حملوں سے پیش تر یورپ کے جنوبی مغربی علاقوں میں مہذب اقوام آباد تھیں۔ اس سفید فام نسل کے خانہ بدوش لوگوں نے ان اقوام کو برباد کر دیا اور انھیں بری طرح ٹوٹا۔

اسی طرح انہوں نے ہندوستان فتح کیا۔ یہاں اُن سے قبل دراوڑ لوگ آباد تھے۔ جو بڑے خوشحال اور دولت مند تھے۔ یہ لوگ بھیڑیوں کی طرح اُن پر ٹوٹ پڑے اور ان کی فتح پائی۔

لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا گیا، اُدھر یورپ میں اور ادھر ہندوستان میں فاتح قوم نے مفتوح قوم کی تہذیب و تمدن، رہنے سہنے کا ڈھنگ اور طور طریقے اختیار کر لئے۔ اور اس طرح ہانے والے دراوڑوں نے جیتنے والے آریوں کو جیت لیا۔ بالآخر آریہ لوگ چھوٹی بڑی متعہ و لڑائیوں کے بعد ہندوستان میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے۔ اور انہوں نے کئی قابل قدر تہذیبوں کو جنم دیا۔ اس ہندوستان میں ویدوں کا سنہری زمانہ آیا اور یورپ میں یونان کی عظیم الشان تہذیب کی بنا پڑی۔ لیکن یہ تہذیب ویدوں کے زمانہ سے کافی مدت کے بعد چکی۔

آریہ لوگ بڑے مضبوط اور جنگ جو تھے۔ ہندوستان پر انہوں نے فتح ہی اس وجہ سے پائی۔ اُن کے پاس دراوڑوں کے مقابلہ میں عمدہ اور جدید ہتھیار تھے۔ اُن کے تیرکمان زیادہ بڑے، اور چکر زیادہ آب دار تھے۔ لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر نزلے چرواہے ہی تھے۔

چند سال قبل یہ خیال عام تھا کہ ہندوستان کی تہذیب کا آغاز آریوں کی آمد سے ہوتا ہے۔ لیکن اب ثابت ہو گیا ہے کہ ہماری موجودہ تہذیب نے بہت سی باتیں دراوڑوں سے حاصل کیں۔

آریوں پر اس ملک کے قدرتی حالات کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ شمال میں ہمالیہ کے بلند و بالا پہاڑوں کو دیکھ کر وہ خوف سے کانپنے لگتے۔ بجلی کی گرج اور تیز چمک کے ساتھ آنے والی بارش اور طوفان برق و باران سے وہ دَکَل جاتے تھے۔ شور مچاتی ندیاں جب پہاڑوں سے اتر کر میدان میں آ جاتی ہیں تو ان کی رفتار دھیمی پڑ جاتی ہے، اسی طرح جب آریہ لوگ پہاڑوں سے اتر کر نیچے آئے تو ان دریاؤں نے ان کی رفتار کو دھیمّا کر دیا۔ آریوں اور دراوڑوں کے درمیان جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں، بڑی خون ریز اور گھسان تھیں۔

ان تمام باتوں سے آریہ بڑے متاثر ہوئے۔ اور قدرت کی طاقتوں کو خوش کرنے کے لئے انہوں نے منتر ترتیب دیئے۔ اور ان کی تعریف میں گیت لکھے۔ شروع شروع میں یہ منتر اور گیت خانہ بدوش چرواہوں کے گیتوں جیسے تھے، لیکن بعد میں انہوں نے قدرت کے ہر مظہر کو دیوتا کا مرتبہ دے دیا جس کو وہ نہ سمجھ سکتے تھے۔ مثال کے طور پر طوفان کو "رورا" یا "بشوا" اور عدد و برق کو "اندر" کاروب دیدیا۔ انہوں نے دراوڑوں کے دیوی دیوتاؤں مثلاً دھرتی کی دیوی — "ایدیٹا" اور پریوں کو بھی اپنا لیا اور ان کی پرستش شروع کر دی۔ جیسے جیسے وہ ملک کے طول و عرض میں پھیلنے لگے، ان کے گیتوں میں علمیت اور نادر تنجیلات پیدا ہوتے گئے۔ اور اعلیٰ درجہ کی شعریت ان کے گیتوں میں بھلکنے لگی

ان کی شاعری کے کچھ خوب صورت ٹکڑے نیچے دیئے جاتے ہیں، جو دنیا کی قدیم ترین شاعری کے شاید حسین ترین نمونے ہیں۔

مندرجہ ذیل اقتباس سورج کی تعریف میں ہے :

”اے روشنی کے خالق

تو بڑا تانا بانگ اور حسین ہے

تو اپنی کرنوں سے کرہ زمین کو جگمگا دیتا ہے“

طلوعِ سحر کے لئے ایک مثال ملاحظہ ہو

”یہ روشنی جو پھوٹ رہی ہے

تمام روشنیوں سے زیادہ خوب صورت ہے

رات نے آمدِ سحر کے لئے جبکہ چھوڑ دی ہے

اور دور دور تک پھیلنے والی روشنی کا جنم ہو گیا ہے“

عالم کی تخلیق کے متعلق جو گیت آریوں نے بنائے ہیں، یقیناً نہایت حسین و جمیل اور فکر انگیز

ہیں۔ ان میں ظاہر کئے گئے خیالات نہایت گہرے اور سلجھے ہوئے ہیں :

تب نہ کرہ ارض تھا، نہ ہوا کا وجود تھا  
نہ آسمان کا

تو پھر کیا تھا وہاں؟ کہاں تھا؟ اوٹ میں کون تھا؟  
تو پھر کیا تھا ہاں پانی ہی پانی تھا؟

کچھ عرصہ کے بعد ان گیتوں کو مرتب کیا گیا اور کتابی شکل دی گئی۔ یہ کتابیں غالباً دنیا کی قدیم ترین کتابیں ہیں۔ ان کے نام ہیں:

رگ وید، یجر و وید، سام وید، اتھرو وید۔

ویدوں میں جو رعنائی خیال اور معنی آفرینی ہے اس میں بڑا حصہ ان دراوڑوں کا ہے جنہوں نے محکوم ہو کر بھی آریوں پر حکومت کی۔ لیکن جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے فاتح آریہ مفتوح دراوڑوں سے نفرت کرتے تھے۔ وہ انہیں ”چوٹی ناک والے غلام“ کہہ کر پکارتے تھے۔ بعد میں کھلے گئے ویدوں میں آریوں نے اپنے سوراؤں چھترہوں کو بلند مقام دیا، جن کی سماج میں بڑی عزت ہوتی تھی، ماورثو دروں یا داسوں کو بہت نیچا درجہ دیا۔ جن کی سماج میں کوئی عزت نہ تھی۔

ابتدا میں آریہ دراوڑوں کو اس لئے پست درجہ دیتے تھے کہ آریوں کا رنگ گورا تھا اور



درا وڑوں کا کالا، لیکن بعد میں اس میں کچھ اور  
تخصیبات بھی شامل ہو گئے۔ مثلاً جو طبقہ سماج کی  
خدمت گزاری کرتا تھا وہ پیشے کی وجہ سے نیچا  
سمجھا جانے لگا۔

اس طرح ذات پات کا سلسلہ شروع ہوا۔  
اور چار ذاتیں وجود میں آئیں :-

برہمن :- یہ اونچی ذات تھی۔ اُس میں  
پجاری اور پنڈت لوگ شامل تھے۔

چھتری :- اس میں سپاہی اور حکومت  
کرنے والے لوگ شامل تھے۔

ویش :- اس میں دوکار اور تاجر شامل تھے۔

مشودر :- اس میں سب سے پست ترین کام  
کرنے والے اور بچی ذات کے لوگ شامل تھے۔

ان کے علاوہ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کی سماج میں کوئی حیثیت ہی نہ تھی، انھیں سماج سے خارج اور اجنبوت سمجھا جاتا تھا۔

لیکن یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سماج میں ذات پات کا مسئلہ بالکل نیا تھا۔ نیچے طبقے کے افراد اونچا کام کر کے اونچے طبقے میں شامل ہو سکتے تھے اور اسی طرح اونچے طبقے کے لوگ نیچا کام کر کے نیچے طبقے میں شامل ہو جاتے تھے۔

تاہم بہت سے لوگ ذات پات کے اخلاق سوز مسئلے کی مخالفت بھی کرتے تھے۔ کیونکہ بہت سے نیک لوگوں کو ذرا ذرا سی باتوں پر سماج میں نیچا درجہ دے دیا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے اس بُرائی کے خلاف سخت جدوجہد کی، بحث مباحثے کئے اور نیچی ذات والوں کی زندگی کو خوش گوار بنانے کے لئے اونچی ذات والوں سے سخت مقابلہ کیا۔

اس زمانے میں بڑے بڑے رستنی پیدا ہوئے، ان کے عاقلانہ اور حکیمانہ اقوال کو جمع کر کے کتابی صورت دی گئی۔ ایسی کتابوں کو ”اُپنیشد“ کہا گیا۔ ان کتابوں کو بنوں یا جنگلوں کی کتابیں بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے رستنی مصنفوں کا مسکن جنگلات ہی تھے۔ ان میں تیرہ کتابوں کا درجہ بہت بلند ہے۔ ان کتابوں میں، ان رستیوں اور رستنیوں کے حیات و موت کے متعلق خیالات درج ہیں۔ اسکے

علاوہ ان میں اس مسئلہ پر بھی خوب سوچ و چار کیا گیا ہے کہ موت کے بعد کیا ہوتا ہے۔  
 ان میں ایسٹور اور دیوی دیوتاؤں اور سب ہی چیزوں کے متعلق کہا جاتا ہے اور کہا دیتا ہے۔ ان  
 کتابوں میں اعلیٰ درجہ کا فلسفہ موجود ہے۔

وہ فلسفہ یہ ہے کہ ایک پریشور موجود ہے۔ یہ دُنیا تب وجود میں آئی۔ جب اس نے اس  
 میں زندگی پیدا کرنی چاہی۔ انسان کی روح کی تمنا یہی ہے کہ اُس پریشور سے لُو لگائے رکھے اور  
 آخر کار اسی میں مل جائے۔ جب تک انسان کی روح اپنے اصل مقام، یعنی پریشور میں نہیں مل  
 جاتی تب تک انسان بار بار جنم لینے پر مجبور ہے، کبھی آدمی کی شکل میں کبھی جانور کی شکل میں۔ جب  
 آدمی نیک کام کرتا ہے تو پھر بار بار جنم لینے کے جنجال سے نجات مل جاتی ہے اور اس کی آتما، پرمانتا  
 میں مل جاتی ہے۔ اس وقت بہت کم لوگ ایسے تھے کہ جنہوں نے زندگی کے بارے میں اتنی عقل  
 مندی اور فراست سے سوچا۔ اور تب ایسے نتیجے پر پہنچے۔ اس کے بعد جو لوگ ہوئے وہ  
 اس فلسفہ میں کوئی نیا اضافہ نہ کر سکے۔

# رامائن

ویدوں اور اپنشدوں میں تو آریوں کے خیالات اور تمناؤں کا ذکر ہے، لیکن انہوں نے اس ملک پر کس طرح فتح پائی اور ملک میں کس طرح آباد ہوئے، اس کا احوال رامائن اور مہا بھارت میں ملتا ہے۔ یہ دو مشہور اور طویل نظمیوں ہیں، جن میں اصل واقعات کا اظہار شاعرانہ لطافت، من گھڑت کہانیوں اور دیو مالاؤں کے تحت کیا گیا ہے۔

رامائن ایک طویل نظم ہے، جس میں (۲۸۰۰۰) اڑتالیس ہزار اشعار ہیں۔ یہ نظم عظیم شاعر والمیکئی کی تصنیف ہے۔ اس میں بیان کی ہوئی کہانی اس طرح ہے :-

کسی وقت ہندوستان میں دشرتھ نام کے راجا راج کرتے تھے۔ ان کا دارالسلطنت اجودھیا تھا۔ جو کہ اس وقت اودھ میں فیض آباد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ دشرتھ کے چار بیٹے تھے۔ راجا کے سب سے بڑے لڑکے کا نام رام تھا جو ان کی سب سے بڑی بیوی کوشلیا کے بطن سے تھے۔ ان کے دوسرے بیٹے کا نام بھرت تھا جو کہ ایک کئی سے تھے۔ باقی دو لڑکے لکشمن اور شتر گھن رانی سمبتر کے بطن سے تھے۔



رام نے ایک سوئمیر میں راجا جنگ کی  
 بیٹی سیتا کو جیت لیا۔ سوئمیر اس زمانہ میں  
 اس تقریب کو کہتے تھے جس میں لڑکی بہ ذات خود  
 اپنے خاوند کا انتخاب کرتی تھی۔ رام نے ایک  
 بہت بڑے اور مضبوط دھنش کو توڑ دیا جس  
 کو دوسرے راجا جھکا بھی نہ سکتے تھے۔ اس  
 طرح انہوں نے سوئمیر کی غلط پوری کر دی۔  
 سیتا سے شادی کر کے ابو دھیا لوٹ آئے۔  
 بھرت کی ماں، رانی کینئی، رام سے  
 حسد کرتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ بجائے رام  
 کے اس کا بیٹا بھرت گدھی پر بیٹھ سہی سال  
 پہلے اس رانی نے راجا دشرتھ کی جان بچائی  
 تھی جب کہ وہ میدان جنگ میں بڑی طرح



گھائل ہو گئے تھے۔ راجا دشرتھ نے خوش ہو کر وعدہ کیا تھا کہ رانی کیسے جو مانگے گی وہ اُسے دیں گے۔ رانی نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی مانگ یہ پیش کی کہ رام چودہ سال تک بن میں رہیں اور بھرت کو گدی دی جائے۔ پہلے تو راجا دشرتھ نے انکار کیا۔ لیکن کیسے کئی دن تک تاریک و تاریک کوٹھری میں پڑی رہی۔ تو بالآخر راجا دشرتھ نے ہار مان لی اور اپنا وعدہ پورا کیا۔

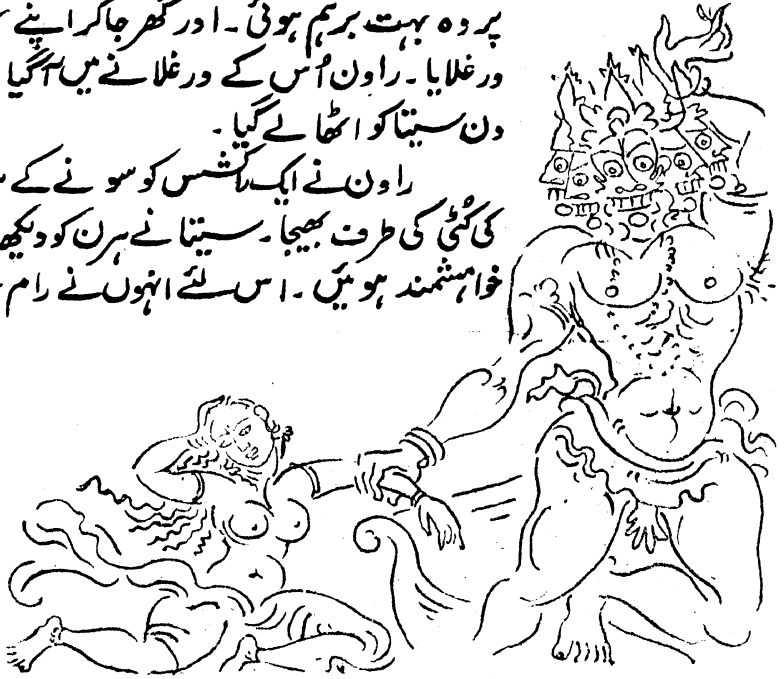
راجا دشرتھ کو رام کے چلے جانے کا اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ جان برب نہ ہو سکے لیکن بھرت نے، جو رام سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، اُن کی جگہ راجا بننے سے انکار کر دیا اور رام کے نمائندے کی حیثیت سے انتظام سلطنت شروع کر دیا۔

جب رام اور سیتا بن کو چلے تو لکشمین بھی ان کے ساتھ ہوتے۔ اور تینوں وندھیا چل کے پہاڑوں میں گھومتے رہے۔ ایک دن ایک کشمی رام پر عاشق ہو گئی۔ رام نے اس سے بات بھی نہ کی۔

پر وہ بہت برہم ہوئی۔ اور گھر جا کر اپنے بھائی راون کو رام کے غلام  
 ورغلایا۔ راون اُس کے درغلانے میں آگیا۔ اور انتقام کے طور پر ایک  
 دن سیتا کو اٹھالے گیا۔

راون نے ایک لکشمن کو سونے کے ہرن کا روپ دے کر سیتا  
 کی گٹھی کی طرف بھیجا۔ سیتا نے ہرن کو دیکھا اور اس کے پانے کی  
 خواہشمند ہوئی۔ اس لئے انہوں نے رام چندر جی سے کہا کہ وہ اس

ہرن کو پکڑ لائیں۔ لیکن  
 رام بہت دیر تک واپس  
 نہیں آئے۔ سیتا نے لکشمن  
 کو رام کی تلاش میں بھیجا۔  
 لکشمن سیتا جی کو تنہا جھٹل  
 میں نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔  
 لیکن سیتا جی نے انہیں





جب بہت مجبور کیا تو انہوں نے سیتا جی کے ارد گرد ایک دائرہ کھینچ دیا۔ اس دائرہ کے اندر انھیں کوئی کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ چلتے وقت انہوں نے سیتا جی سے کہا کہ وہ اس دائرہ کے باہر قدم نہ نکالیں۔

جب سیتا جی تنہا رہ گئیں تو راون ایک بوڑھے سادھو کے روپ میں آیا

اور ان سے بھیک مانگنے لگا۔ سیتا جی نے کہا کہ وہ اس دائرہ کے باہر قدم نہیں رکھ سکتیں، اس پر راون نے بہانہ بنایا کہ وہ سخت بیمار ہے، اور پینے کے لئے پانی مانگا۔ سیتا کو رحم آ گیا اور وہ اس دائرہ سے باہر نکل آئیں۔ راون انھیں اپنے اڑن کھٹولے پر اڑا کر لے گیا۔

راتے میں سیتا جی اپنے زیورات اتار کر پھینکتی گئیں تاکہ رام کو ان کا پتہ لگانے میں آسانی ہو۔ بعد میں رام کو گدھوں کے راجا جٹاپو سے معلوم ہوا کہ سیتا جی کہاں چلی گئی ہیں۔ تب رام اور کوشن، بندروں کے راجا





سنومان کے ساتھ لنکا کی طرف بڑھے۔  
 جب وہ لوگ سمندر کے کنارے پہنچے تو بندروں  
 نے بڑے بڑے پیتر پھینک کر پل بنا لیا۔ اور پار کر کے  
 لنکا میں گھس گئے۔ سنومان جی نے اپنی ڈوم میں آگ لگوا لی  
 اور ایک مکان سے دوسرے مکان پر جھپلا بنگ لٹکا کر راون  
 کے دارالسلطنت لنکا کو پھونک دیا۔ راون اور اس کے  
 ساتھی راکھشسوں کی ہار ہوئی۔ رام نے راون کو ایک  
 تیر سے ہلاک کر دیا۔ اور سنومان سیتا کو رام کے پاس  
 لے آئے۔ اس وقت رام کے بن باس کی مدت پوری  
 ہو گئی۔ وہ راون کے اڑن کھٹولے (ویمان) میں بیٹھ

کر اچھوڑ دیا آئے۔ یہاں بھرت نے ان کا استقبال کیا اور رام گدی پر بیٹھ گئے۔  
 لیکن اچھوڑ دھیا کے باشندے سیتا جی کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ  
 راون نے سیتا جی کو اپنی بیوی بنا لیا ہے۔ ان کے الزام کو باطل کرنے کے لئے سیتا جی نے "اگنی پرکشا"

دنگ کا اٹھان) دیدہ جلتی ہوئی آگ میں سے بہ حفاظت گذر گئیں۔ تاہم لوگوں کا منہ بند نہ ہوا۔ ایک دن سیتا نے اپنی سہیلیوں کی فرمائش پر راون کی ایک تصویر کھینچی۔ اس تصویر نے رام کے دل میں شگ پیدا کر دیا۔ اور انہوں نے سینا کو جلا وطن کر دیا۔

سیتا جی بن میں چلی گئیں۔ اور رشی والمیکی کے آشرم میں رہنے لگیں۔ یہ وہی والمیکی رشی ہیں جنہوں نے رامائن تصنیف کی ہے۔ یہاں ان کے بطن سے دو لڑکے ہو کر ش ایک سا بھ پیدا ہوئے۔ والمیکی جی نے انہیں تیرکمان چلانا سکھایا اور وید پڑھائے اور پوری رامائن کو دونوں لڑکوں نے زبانی یاد کر لیا۔ ایک دن جب دونوں بچے اپنے ماں باپ کے گمن کارہے تھے تو رام وہاں سے گزرے۔ وہ بہت جلد پہچان گئے کہ دونوں بچے کون ہیں۔ انہوں نے سیتا جی اور دونوں بچوں کو واپس چلنے کے لئے کہا۔ اور وہ سب اچھو دھیا چلے آئے۔

لیکن اس کے باوجود بھی اچھو دھیا کے بدکردار لوگوں کی زبان بند نہ ہو سکی۔ آخر سیتا جی سے نہ سہا گیا اور انہوں نے دھرتی ماتا سے التجا کی کہ وہ انہیں اپنے آغوش میں لے لے۔ اس پر دھرتی چھٹ گئی اور سیتا جی اس میں ٹھاکیں۔

# مہا بھارت

مہا بھارت بہت سی طویل نظموں کا ایک مجموعہ ہے۔ جن میں راجا رانیوں، راج کماروں، راجکماروں، سادھو سنتوں اور دوسرے لوگوں کی بہادری کے قصے بیان کئے گئے ہیں۔ ویاس رشی نے ان کو تالیف کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب کئی مصنفوں کے قلم کا نتیجہ ہو، لیکن ویاس رشی کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔

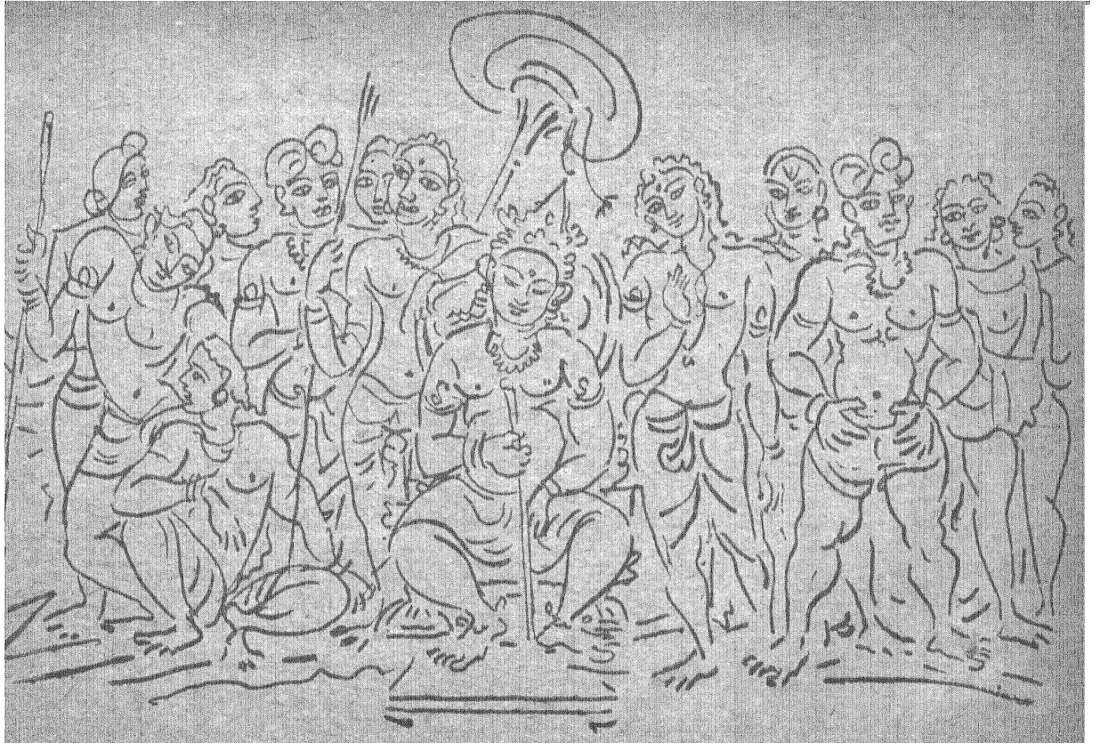
مہا بھارت میں نل دینی، ستی سادتری، کرشن ییلا صبی کہانیوں اور بھگوت گیتا (جس کا ہندو بڑا احترام کرتے ہیں) کو چھوڑ کر باقی قصہ سکوڑو اور پانڈوں کی لڑائی کا ہے۔ ہستناپور میں، جسے اب وہی کہتے ہیں، اس وقت دو شہزادے سلطنت ہندوستان کے دعویدار تھے۔ ان میں ایک کا نام پانڈو اور دوسرے کا نام دھرت راشٹر تھا۔ یہ کرو خاندان سے تھے۔ دھرت راشٹر نا مینا تھے اس لئے تخت سلطنت پانڈو کے ہاتھ آیا۔ کچھ عرصہ بعد پانڈو کو ٹھی ہو گئے اور اپنے نا مینا بھائی کو گدی سو نپ کر جنگلوں میں نکل گئے۔

پانڈو کے انتقال کے بعد اس کی ایک بیوی کنئی اور پانچ لڑکے، یدھشٹر، بھیم، ارجن، بھل اور بہدیو،

ہستنا پور واپس آگئے۔ ان کے نابینا تانے نے ان کا پڑھ جو ش خیر مقدم کیا۔ اور انھیں ایک قابل گرو کے سپرد کر دیا جس کا نام درونڑا چاریہ تھا۔ گرو نے ان کو فن سچہ گری اور سیاست میں ماہر کر دیا۔ دھرت راشٹر کے سولہ کے تھے، ان میں سب سے بڑے کا نام دریودھن تھا۔ وہ اپنے چچا زاد بھائیوں، پانڈوؤں سے حسد کرتا تھا کیونکہ اس کا باپ اُن پر بڑا مہربان تھا۔ اس نے کسی طرح اپنے باپ کو آمادہ کر لیا کہ وہ پانڈوؤں کو ایک خاص محل میں رہنے کے لئے بھیج دے۔ اس محل میں اُس نے ان سب کو ہلاک کر دینے کا انتظام کر رکھا تھا۔ لیکن پانڈوؤں کو دریودھن کے ناپاک ارادے کا پتہ چل گیا اور محل سے فرار ہو کر جنگلوں میں چلے گئے۔

جب پانچوں پانڈو جنگل میں ادھر ادھر سرگرداں تھے تو ارجن نے درویدی کو سوئمبر میں جیت لیا۔ درویدی کو لے کر جب پانچوں بھائی گھر واپس آئے تو ارجن کے دوسرے بھائیوں نے اپنی ماں پر تھا سے کہا ”ماں ارجن نے آج ایک خوبصورت چیز جیتی ہے۔“ ماں نے مزید دریا فت کئے بغیر حسبِ عادت کہہ دیا ”ارجن جو چیز جیت کر لایا ہے، اسے آپس میں سب بھائی برابر برابر بانٹ لو، کیونکہ اچھے بھائیوں کو ہمیشہ یہی کرنا چاہئے۔“

اس طرح درویدی پانچوں بھائیوں کی مشترکہ بیوی بن گئی۔ شادی کے موقع پر پانڈوؤں کی



ملاقات سری کرشن جی سے ہوئی۔ سری کرشن جی ان کے رشتے سے ان کے بھائی لگتے تھے۔ اس دن سے سری کرشن جی ان کے غلط دوست، سچے رہنما اور بہادر و گرو بنے رہے۔

بڑے دھرت راتھٹر کو جب معلوم ہوا کہ ارجن نے درپدی کو سوئیر میں جیت لیا ہے تو اس نے پانڈو کو ہستنا پور بلایا۔ اور اپنی سلطنت کو دو برابر حصوں میں منقسم کر کے ایک حصہ پانڈوؤں کو اور ایک حصہ اپنے بیٹوں کرودوں کو دیدیا۔ کچھ عرصہ تک تو کرود اور پانڈو پران



رہے، لیکن ایک دن یہ ہیشٹر جو کہ پانڈوؤں میں سب سے بڑا تھا، دریودھن سے جوا کھیلنے لگا۔ اس طرح یہ ہیشٹر اپنے تمام زرو جو اہرات اور مال و دولت ہار گیا۔ بعد ازاں اس نے اپنی سلطنت کی بازی نکائی اور اسے بھی ہار گیا۔ پھر اس نے اپنے بھائیوں اور خود اپنی ذات کو داؤ پر لگا دیا، ہار گیا۔ بالآخر اس نے دروپدی کی بھی بازی لگا دی اور یہ بازی بھی دریودھن نے جیت لی۔ اب دریودھن نے حکم دیا کہ دروپدی کو اس کے سامنے حاضر کیا جائے۔ اس حکم کو



سُن کر کوہوؤں کا ایک راجکمار جس کا نام دُشاسن  
 تھا، دروپدی کو بالوں سے گھسیٹتا ہوا لے آیا۔  
 پھرے دربار میں دروپدی نے اُمرام اور شرفاء  
 کے سامنے آہ و نزاری کی ”مجھے بچاؤ، تمہارے  
 بھی بیویاں اور بچے ہیں۔ کیا تم میں سے کوئی بھی  
 ایک بے گناہ عورت کی آبرو بچانے کے لئے  
 تیار نہیں؟ تمہارے سامنے یہ شرمناک حرکت  
 کی جا رہی ہے۔ تم کیوں خاموش ہو؟ بولتے  
 کیوں نہیں؟“

پانڈوؤں نے جب یہ سنا تو شرم و جہا سے اپنی گردنیں جھکا لیں۔  
 درپودھن نے دروپدی کی ساڑھی اتارنے کی کوشش کی۔ اس وقت دروپدی نے کہ سن جی سے  
 مدد کی التجا کی۔ اور تمام دربلدی یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے کہ دروپدی کی ساڑھی بڑھتی چلی گئی  
 اس طرح دروپدی کی عزت بچ گئی۔ لیکن پانڈوؤں کو دوپامہ جلا دینا پڑا۔ دروپدی ان کے

بہراہ چلی گئی۔

پانڈوؤں سے کہا گیا کہ اگر وہ بارہ برس جلا وطن رہنے کے بعد تیرہویں سال بھیس بدل کر اس طرح رہیں کہ انھیں کوئی شناخت نہ کر سکے تو انھیں ان کی حکومت واپس کر دی جائے گی۔

پانڈوؤں نے بارہ سال بنوں میں گھوم پھر کر گزارے۔ تیرہویں سال وہ بھیس بدل کر متسیہ کے راجہ وراٹ کے دربار میں پہنچ گئے اور وہیں ملازم ہو گئے۔ انہوں نے وہاں پورا تیرہواں سال گزار دیا اور انھیں وہاں کوئی بھی پہچان نہ سکا۔ لیکن سال کے آخر میں جبکہ وہ گھر واپس ہونے کا ارادہ کر رہے تھے تو انھیں ایک زبردست مصیبت درپیش آئی۔

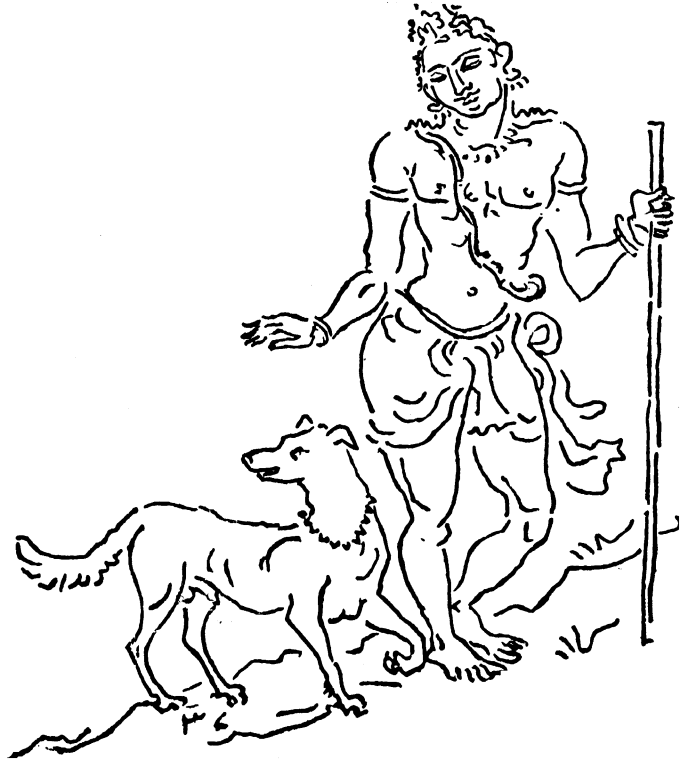
متسیہ کی رانی کا چھوٹا بھائی کیچک دروپدی پر عاشق ہو گیا۔ بھیم یہ برداشت نہ کر سکا اور اس نے کیچک کو مار ڈالا۔

اس حادثہ سے متسیہ میں کھرام بپا ہو گیا۔ جب درپودھن کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے سوچا کہ متسیہ پر حملہ کر دیا جائے، کونکر متسیہ کی حالت اس وقت منتشر ہے اور اس طرح وہ متسیہ کو باسانی فتح کر سکے گا۔

اگرچہ بھیم کو اب بھی غصہ چڑھا ہوا تھا تاہم وہ اور اس کے بھائی اب متسیہ کے راجا کے طرف دار

رہے اور اُس کی طرف سے درلودھن سے جنگ کی۔ یہ لڑائی ایک بہت بڑی لڑائی کا آغاز ثابت  
 ہوئی جو کرکشیتر کے میدان میں لڑی گئی۔ اس لڑائی میں پانڈوؤں نے کرشن جی کی مدد سے کوروؤں کو  
 ہرا دیا۔ اس لڑائی میں ہی کرشن جی اور ارجن کے درمیان جو گھنٹو ہوئی، وہ بھگوت گیتا میں درج ہے۔  
 اس کے بعد نابینا دھرت راسٹر نے تخت سلطنت چھوڑ دیا، اور یدھشٹر نے عنان حکومت سنبھالی۔  
 اس نے کچھ سال حکومت کی۔ بعد میں ہستناپور میں اپنے خاندان اور کوروؤں کے خاندان کا ایک ایک  
 وارث چھوڑ کر اپنے بھائیوں، درویدی اور وفادار کتے کو ساتھ لے کر راجا یدھشٹر اندر دیوتا کی  
 کی جنت (سورگ) میں پہنچنے کے لئے میر و پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے۔ یدھشٹر کے علاوہ سب بھائی  
 اور درویدی لستے میں ہی مر گئے۔ وہ اپنے کتے کے ساتھ جنت کے دروازے پر پہنچے۔ وہاں  
 ان سے کہا گیا کہ اگر جنت میں داخل منظور ہو تو کتے کو یا سہی چھوڑ دو۔ لیکن یدھشٹر نے یہ کہہ کر انکار  
 کر دیا کہ وہ بغیر کتے کے جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ کتے کے ساتھ وفاداری دیکھ کر اندر دیوتا  
 بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے یدھشٹر اور اگلے کتے کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔  
 یدھشٹر جب جنت میں پہنچے تو انہوں نے سنا کہ ان کے چاروں بھائی اور درویدی دوزخ (نرک)  
 کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ یہ سنتے ہی انہوں نے بغیر اپنے بھائیوں اور درویدی کے جنت (سورگ)

میں رہنے سے انکار کر دیا۔ لیکن  
 دراصل اس طرح بدھشترا کی محبت  
 جو انہیں اپنے بھائیوں اور  
 بیوی سے نفی، کو پرکھا جا رہا تھا۔  
 دیوتاؤں نے چپاروں  
 بھائیوں اور درویدی کو فوراً  
 جنت میں بدھشترا کے پاس  
 پہنچا دیا۔ اور وہ سب  
 ہنسی خوشی جنت میں رہنے  
 لگے۔

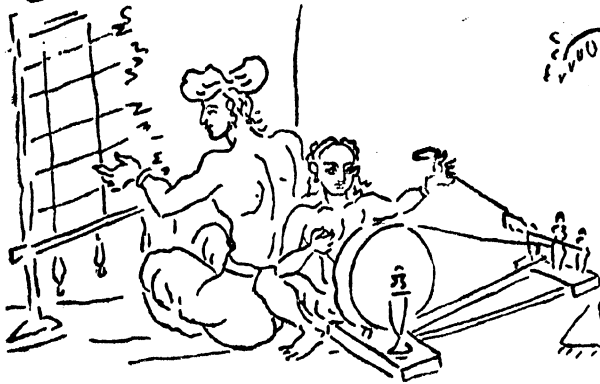
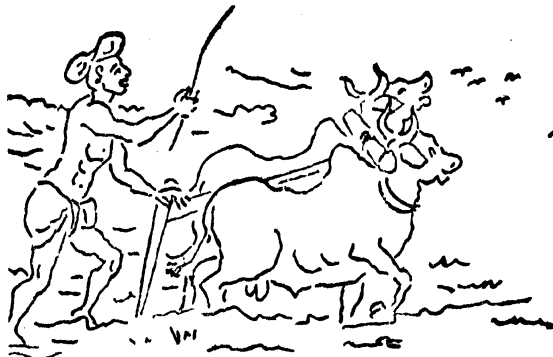


# طرز رہائش

ان تمام کہانیوں، نظموں اور قصوں ہی سے ہمیں اپنے آبا و اجداد کے متعلق بہت کچھ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ان دنوں تاریخ نہیں لکھی جاتی تھی۔

اس سے ہمیں ایک خاص بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ قدیم زمانے میں ہندوستان میں لوگ اکثر و بیشتر دیہاتی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور سلطنت بدل جانے سے ان کی زندگی کے معیار پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ کیونکہ راجا لوگ بڑے بڑے شہروں میں ہی رہتے تھے۔

راجا اپنے کارندے بھیج دیا کرتا تھا جو کسانوں سے کچھ اناج لگان کے طور پر وصول کر لیا کرتے تھے۔ یہ لگان اس غرض سے لیا جاتا تھا کہ راجا اس کے عیوض دیہات میں زندگی بسر کرنے والے لوگوں کے جان و مال کی حفاظت، چور ڈاکوؤں اور دوسرے حملہ آوروں سے کرتا تھا۔ علاوہ ازیں راجا سڑکیں بنواتا اور نہریں کھدواتا تھا۔ اور ملک کا انتظام کرتا تھا۔ راجا کا کارندہ لگان کے طور پر اناج وصول کرتا اور چلا جاتا تھا۔



کسان لوگ مل جُل کر رہتے اور ایک ساتھ کام کرتے تھے۔ وہ لوگ بڑے اتحاد سے رہتے تھے۔ ہر آدمی دوسرے کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ وہ لوگ زندگی مل کر ہی گزارا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر کسان سب کے لئے اناج پیدا کرتا، جلا ہا کپڑا بناتا، کھہرا اپنے چاک سے برتن بناتا، بڑھی ہل بناتا، لوہار سیلوں کے نعل بناتا، اسکول کا ماسٹر گاہوں کے بچوں کو تعلیم دیتا۔ ان سب کو کسان بچائے روپے کے اناج دیا کرتا تھا۔ کیونکہ اس وقت روپیہ کاروبار نہ تھا۔

ہر گاؤں میں اس گاؤں کے پانچ بااثر اور بزرگ لوگوں کی ایک پنچایت ہوتی تھی۔ پنچایت کسانوں کے حقوق کی حفاظت کرتی تھی۔ کوئی ان کے حق کو چھین نہیں سکتا تھا۔ یہاں تک کہ راجا بھی کسان کا حق نہ چھین سکتا تھا۔ کیونکہ وہ بھی زمین کا مالک نہیں تھا۔ اسے صرف کچھ اناج کسانوں سے لگان کے طور پر حاصل کرنے کا اختیار تھا۔

اگر کسی دوسرے ملک کا حکمران ان کے گاؤں پر حملہ کر دیتا تھا تو گاؤں کے تمام کسان اپنے مویشیوں اور گھر کے برتن بھانڈوں کے ساتھ کسی دوسری جگہ منتقل ہو جاتے تھے۔ جہاں پنچایت انہیں کھیتی باڑی کرنے کے لئے نئی زمین دیدیتی تھی۔ اگر کسی خاندان کے پاس زمین اتنی کم ہوتی تھی کہ اس کی پیداوار ان کے خاندان کے افراد کے لئے پوری نہ ہوتی ہو تو وہ خاندان پنچایت سے عرض گزار

ہوتا تھا کہ اُسے مزید زمین دی جائے۔ پنچایت باسانی انھیں مزید زمین جوتنے کی اجازت دیتی تھی۔ کیونکہ اس وسیع و عریض ملک میں ہر ایک کے لئے کافی زمین موجود تھی۔ لوگ آرام و چین سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ان میں اوٹ میں ملاپ ہوتا تھا۔ ہماری خواہش ہے کہ آج کل بھی گاؤں میں لوگ اسی زمانے کی طرح پورے میل ملاپ سے رہیں۔

زندگی کا یہ طرز اس طرز سے مختلف تھا جس کا انگلینڈ میں رواج ہوا۔ وہاں ساری زمین بادشاہ کی ملکیت تھی جاتی تھی۔ اور وہ اپنے درباریوں کو جاگیریں بطور انعام دیا کرتا تھا۔ کسان لوگ جاگیردار کی رعایا تصور کئے جاتے تھے۔ یہ لوگ ایک طرح سے جاگیرداروں کے غلام ہی تھے۔ سیکڑوں سال کی کوشش کے بعد انگلینڈ والے اس غلامی سے چھٹکارا پاسکے۔

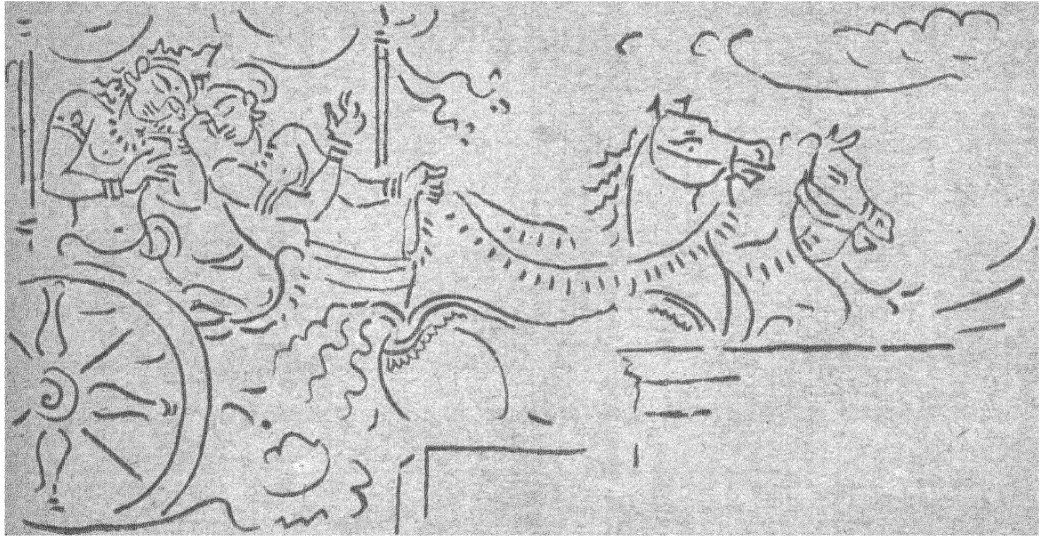
# مہاتما بدھ

(۵۶۳ ق۔ م سے ۴۸۳ ق۔ م تک)

یوں تو لوگ زراعت کس کے اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ لیکن ویدوں کے آخری عہد میں لوگوں کی حالت منتشر ہو گئی۔ کیونکہ ایک ذات دوسری ذات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگی۔ برہمنوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا اودھ نیچی ذات والوں کے ساتھ نہایت ذلیل برتاؤ کرنے لگے۔

اس زمانہ میں چھتریوں میں کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہوئے جنہوں نے شودروں کے ساتھ دوستی کا سلوک کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ روزمرہ کی زندگی میں انھیں شودروں سے کام لینا تھا۔

اس وقت سدھارنہ نام کا ایک چھتری راج کمار ہوا جس نے برہمنوں کے ظلم اور تشدد کے خلاف آواز بلند کی۔ اور اس نے پہلی ذاتوں کے لوگوں میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ وہ بھی انسان ہیں۔ سدھارنہ کیلے وستو کے راجا کا بیٹا تھا۔ جب وہ سات ہی دن کا تھا کہ اس کی ماں کا انتقال



اس کے باپ نے اس کو بڑے ناز و نعم سے پالا۔ اس نے سدھار کھتہ کے لئے تین محل بنوائے۔ ایک

جاڑوں کے لئے، ایک گرمیوں کے لئے اور ایک برسات کے لئے۔ اُس نے اپنے بیٹے کے لئے عیش و عشرت، تفریح اور کھیل کو دے کے تمام وہ سامان فراہم کر دیئے، جو ایک راج کمار کے شایان شان ہوتے ہیں۔ اُس نے اس بات کی ہر ممکن کوشش کی کہ سدھارکھ ڈنیا والوں کے دکھوں کو نہ دیکھ سکے۔ لیکن سدھارکھ کو بچپن ہی سے غور و فکر کی عادت تھی۔ کم سنی میں ہی وہ ایسے ایسے سوالات دریافت کرنے لگا جن کا جواب بہت مشکل یا ناممکن تھا۔ اس کا ذہن گھریلو زندگی کی طرف راغب کرنے کے لئے اس کے باپ نے اس کی شادی اس کے خاندان کی ایک راج کمار سے بٹھو دھرا سے کر دی۔



ایک دن جب سدھارکھ شاہی رتھ میں بیٹھا تفریح میں محو تھا تو اسے ایک ضعیف آدمی نظر آیا جس کے تمام جسم پر جھریاں ہی جھریاں تھیں۔ دوسرے دن

جب وہ باہر جا رہا تھا تو اسے ایک بیمار آدمی دکھائی دیا۔ پھر ایک دن اُس نے ایک مُردہ دیکھا جس کی میت لے جانی جا رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر اس کے دل میں درد پیدا ہوا۔ اور اس نے چلا کر کہا:

”اگر اسی کا نام زندگی ہے تو لعنت ہے زندگی پر!“

کچھ دنوں بعد اُسے ایک سادھو ملا جس کے چہرے پر نور سا تھا۔ اس سادھو کو دیکھ کر اُس نے بھی سادھو بننے کا ارادہ کر لیا۔

سادھو بننے کے لئے وہ اپنے باپ سے اجازت ہی لینے والا تھا کہ اُسے اطلاع ملی کہ اس کی بیوی یثودھرا کے لڑکا ہوا ہے۔ سدھارحہ نے بچے کا نام راہل رکھا۔ جس کے معنی ”سُرکاوٹ“ ہیں۔ سدھارحہ نے بچے کا یہ نام اس لئے تجویز کیا کہ وہ جانتا تھا کہ بچے کی محبت اس کی راہ میں سکاوٹ بن کر آئے گی۔ ایک طرف عیش و آرام سے بھرپور زندگی اور دوسری طرف سنیا س لینے کی خواہش۔ ایک رات شاہی محل میں دعوت تھی۔ سدھارحہ نے دیکھا کہ اس کے دوست رقص و سرود میں مگن ہیں۔ لیکن اس کی طبیعت اس طرف سے بھی اُچاٹ تھی۔

اُس رات کو جب سارا گھر سو گیا تو وہ بستر سے اٹھا اور گھر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنی بیوی کے کمرے میں گیا، حسین یثودھرا محو خواب تھی۔ اس کا ایک بازو راہل کے گرد تھا۔ اس نے آہستہ سے

دونوں کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد  
اس نے اپنا منہ پھیر لیا۔ اس نے  
کہ کہیں زیادہ دیر تک دیکھتے



رہنے سے اس کا ارادہ متزلزل نہ  
ہو جائے۔ اس کا نوکر چننا محل کے  
باہر گھوڑا لائے اس کا انتظار کر رہا تھا  
سدا ہاتھ اور چننا دونوں کپل دستوں  
سے فرار ہو گئے اور دونوں ایک  
گھنے جنگل کے کنارے پہنچے۔  
یہاں سدا ہاتھ نے اپنا قیمتی

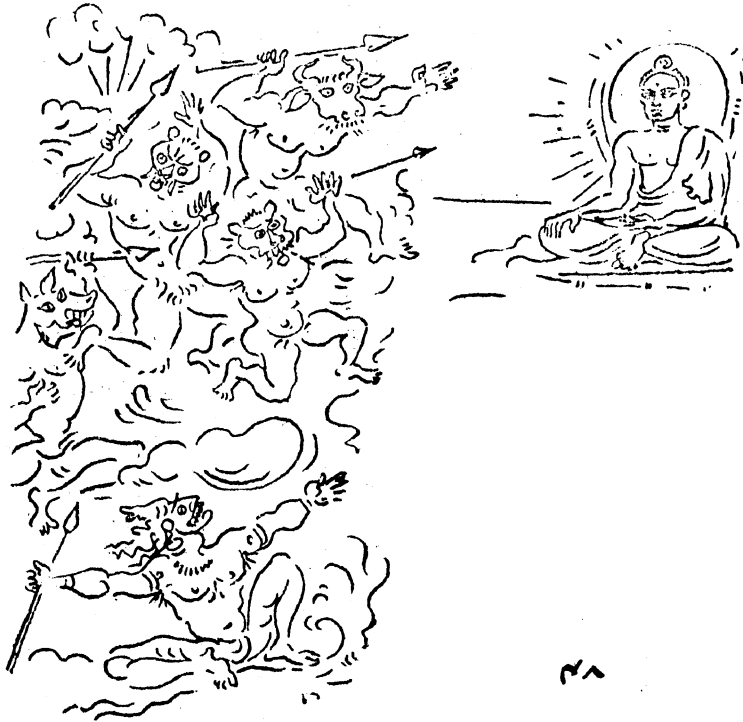
لیاس اور زرو جو اسرات اُتار ڈالے اور خوب صورت بالوں کو مونڈ دیا اور اس نے چننا سے سر پہ جو اسرت کپڑے اور گھوڑا لے کر گھر لوٹ جانے کو کہا۔ چننا اپنے مالک سے رخصت ہوتے وقت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ لیکن سدھار تھ نے اُسے تسلی دی اور واپس بھیج دیا۔

سدھار تھ کچھ عرصے تک ہمالیہ کے پہاڑوں میں سرگرداں رہے اور بہت سے سادھوؤں کے درشن کرتے رہے۔ گاہے گاہے وہ آم کے درختوں کے جھنڈ تلے بیٹھ کر ان ساری باتوں پر پرسوج و چار کرتے، جو ان سے سادھو کہا کرتے تھے۔ لیکن اس طرح ان کے دل کی پیاس نہ بجھی۔

یہ خیال کرتے ہوئے کہ انھیں تب تک معرفت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ تن اور من صاف نہ ہو، انہوں نے ایک طویل برت رکھا۔ سادھو کی حیثیت سے ان کی شہرت اس طرح دور و دراز پہنچ گئی، جیسے آسمان میں آدیزاں کسی گھنٹے کی آواز۔ لیکن کہاں؟ برت اور تپسیا بھی انھیں وہ چیز نہ دے سکے جس کے لئے ان کا دل بے چین تھا۔

سدھار تھ بچہ جگہ جگہ گھومنے لگے۔ اور سادھوؤں سے موت و حیات اور روح و خدا کے متعلق بحث و مباحثہ کرنے لگے۔ لیکن انھیں محسوس ہوا کہ وہ لوگ صرف باتیں بنا جانتے ہیں۔

ایک دن وہ  
 بہار میں گیا کے  
 پاس ایک پیل کے  
 سائے میں دھیان  
 لگائے بیٹھے تھے۔  
 کہتے ہیں کہ اس  
 وقت ایک شیطانی  
 روح مارا ان کے  
 سامنے نمودار  
 ہوئی — اور  
 بولی :-



” دیکھو ! تمہارے چچا زاد بھائی ، دیودت نے تمہارے والد کی حکومت چھین لی ہے۔ اگر تم میرا کہا  
 مانو تو میں دیودت کو ہٹا کر تمہیں گدی پر بٹھا دوں۔ لیکن سدھارکھ نے جنہیں گوتم بھی کہا جاتا تھا اس کی  
 بات نہ مانی۔

اس پر مار اور اس کے دوسرے پریت ساتھیوں نے آگ کا ایک طوفان بپا کر دیا۔ لیکن  
 جب سدھارکھ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو انہوں نے سخت چٹانوں اور پتھروں کے ٹکڑے برسائے  
 شروع کر دیئے۔ لیکن گوتم کو ان چیزوں سے قطعی نقصان نہیں پہنچا بلکہ یوں محسوس ہوا کہ اُن پر  
 بھول برس رہے ہیں۔

اس کے بعد مار نے گوتم سے کہا کہ وہ زمین پر نہیں رہ سکتے کیونکہ ساری زمین کا وہ مالک  
 ہے۔ اس پر گوتم نے اپنی ساری نیکیوں اور خوبیوں کا واسطہ دے کر دھرتی ماتا سے پوچھا :

” بولو دھرتی ماں ! تم کس کی ہو ؟“ دھرتی ماں نے جواب دیا ” میں گوتم کی ہوں۔“  
 اب مار نے اپنی اہلیوں بیٹیوں سے کہا کہ وہ خوب بن سوز کر ناز و ادا کے ساتھ گوتم کے پاس  
 جائیں اور سریلے گاؤں اور مسست کُن ناچوں سے گوتم کا دھیان اپنی جگہ سے ہٹادیں۔ لیکن یہ لڑکیاں  
 بھی گوتم کے دل کو نہ ٹبھاسکیں۔

مار ہا گیا اور گوتم کا دھیان نہیں ٹوٹا۔ نقوڑی دیر بعد ان کے دل میں نورِ معرفت نمودار ہوا اور صدائت کو پہچان گئے۔ ان کا دل دنیا کے سارے جھگڑوں کے لئے محبت میں بھر گیا۔ اس دن سے وہ بڑھ یعنی "عارف" کے نام سے دنیا میں مشہور ہو گئے۔

نقوڑی دیر بعد ایک گڈ ربیے کی لڑکی سرجات مہانتا بدھ کے لئے کھیر کا ایک کٹورا لائی جس سے انہوں نے اپنا برت کھولا۔ یہ کھیر کا کٹورا پہلی چیز تھی جو ان کو مہانتا بننے کے بعد پیش کیا گیا۔

پھر وہ بنا رس گئے اور وہاں جا کر انہوں نے اپنے دوستوں اور ساوہوؤں کو بتایا کہ برت رکھنے اور دھیان لگانے سے انہیں کیا حاصل ہوا۔

بدھ کا کہنا ہے کہ جو پیدا ہوگا وہ یقیناً مرے گا بھی۔ آدمی بھی مرتا ہے۔ وہ جب تک اپنی تمام خواہشات سے کنارہ کش نہ ہو جائے گا تب تک وہ مصیبتوں میں مبتلا رہے گا۔ برت رکھنے اور اکتیسیا کرنے سے غموں کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ سکون اور خوشی حاصل کرنے کے لئے اُسے دھرم کے آٹھ اصولوں پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔

وہ آٹھ اصول یہ ہیں :-

پاکیزہ خیالات - نیک خواہشات - راست گوئی - نیک چلنی - پاکیزہ زندگی - نیک  
 خوشیاں - درست دماغ - نیک کوششیں -  
 بھکشوؤں یعنی پیروؤں کے لئے ان آٹھ اصولوں پر عمل کرنا لازمی تھا۔ لیکن عام آدمیوں  
 کے لئے انہوں نے پانچ اصول وضع کئے۔ وہ یہ ہیں :-  
 کسی جاندار کو نہ مارو - چوری نہ کرو - جھوٹ نہ بولو - بد چلنی سے پرہیز کرو - شبیلی اشیاء  
 سے پرہیز کرو۔

اس طرح بدھ نے عام لوگوں کے لئے ایک ایسا راستہ نکال دیا جس پر چلنا نہ بہت  
 آسان تھا نہ بہت مشکل۔ اور یہ دھرم لوگوں کو بل جُل کر رہنا سکھاتا تھا۔ اسی لئے اسے  
 ”درمیانی راستہ“ کہتے ہیں۔

بدھ کی تعلیم یہ بھی ہے کہ اگیاں (جہالت) دنیا میں سب سے بڑی لعنت ہے۔ گیان (علم)  
 سے عقل اور شعور پیدا ہوتا ہے۔ کوئی آدمی کسی دوسرے سے کم تر نہیں۔ اور ہر ایک آدمی کو اسکے  
 اعمال و افعال کی روشنی میں جانچنا چاہئے۔

نارس میں مہاتما بدھ نے پہلے پانچ چیلے بنائے اور پھر جب کچھ اور لوگ چیلے بن گئے

تو انہوں نے حکم دیا کہ وہ جگہ جگہ گھوم پھر کر بدھ دھرم کی تبلیغ و اشاعت کریں۔ وہ خود بھی جگہ جگہ پھر کر سادھوؤں اور پنڈتوں سے مباحثے کرنے لگے۔

ایک برہمن جس کا نام کیشپ تھا ان کا بڑا غلص شاگرد ہو گیا۔

اس کے بعد وہ کپیل دستو گئے اور وہاں اپنے والد اور خاندان کے دوسرے افراد کو اپنے دھرم میں شریک کر لیا۔ ان کا بیٹا راہل بھکشو اور بیوی ییشودھرا بھکشنی ہو گئیں۔  
 راجاؤں سے لے کر نائی اور مہتروں تک ہر ذات اور طبقے کے لوگ بدھ کے پیرو ہو گئے۔

بدھ کی تعلیم ملک کے ہر سرگوشے میں پھیل گئی۔

بدھ کی موت اسی سال کی عمر میں کسیم گرٹھ میں واقع ہوئی جو بنارس سے بیس میل دور شمال مشرقی گوشہ میں ہے۔ بدھ نے مرتے وقت اپنے چیلے آئند سے کہا جو انھیں دم توڑتے دیکھ کر زار و قطار رو رہا تھا "اے آئند! تم خود ہی اپنے رہنما بنو۔ صداقت کی مشعل کو مضبوطی سے پکڑے رہو (یعنی سچائی پر قائم رہو)۔"

دنیا کے عظیم ترین انسانوں میں سے ایک کی زندگی اور موت کا بیان یہ تھا۔ ہاں تا بدھ کی جگائی ہوئی جو تہندوستان میں تو بچھ کر رہ گئی لیکن سارے ایشیائی ملکوں میں ایک ہزار سال

سے زیادہ مدت تک رہی۔



# نالندا اور تکشلا

ہماتما بدھ کی موت کے بعد ان کی تعلیم کے بارے میں بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ یہ کتابیں پالی زبان میں تھیں۔ یہ زبان پراکرت سے نکلی گئی جو اس زمانے میں عوام کی زبان یا بولی تھی۔ ہماتما بدھ سب لوگوں کو عام بول چال کی زبان میں ہی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان کتابوں میں بدھ کی زندگی کے متعلق بہت سی کہانیاں درج ہیں۔ بدھ کے اقوال کو ان کتابوں میں زیادہ صاف طور پر بیان کیا گیا ہے۔

بدھ کی تعلیم سے اس ملک کے لوگوں کے دلوں میں بڑی بڑی امیدیں پیدا ہونے لگیں۔ عام لوگوں کو یہ سمجھنے کا شوق ہوا کہ زندگی کیا ہے۔ ہندوستان کے مختلف گوشوں میں بہت سے اسکول اور کالج کھولے گئے ان میں سے نالندا اور تکشلا کی یونیورسٹیوں کے نشانات آج بھی ملتے ہیں۔ ان یونیورسٹیوں میں ہندوستان کے مختلف حصوں ہی سے نہیں بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک مثلاً چین، برما، ایران اور مصر کے طالب علم بھی آ کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔

# جین مت

اُن ہی دنوں میں جبکہ بدھ نے اپنا محل چھوڑا تھا، گدھ (موجودہ بہار) میں ایک دوسرا چیتری راج کمار وردھمان رہتا تھا۔ وہ عیسیٰ سے ۵۴۰ برس پہلے پیدا ہوا۔ سن بلوغ کو پہنچ کر وہ بھی سادھو (فقیر) بن گیا۔ گوتم کی طرح اُس نے بھی برت رکھے، کھن گھائے اور سادھو سنتوں کی صحبت میں رہا۔ بارہ سال کی سخت ریاضت کے بعد اس نے اپنے من کی دُنیا پر قابو حاصل کر لیا اور جن یا روحانی فاتح بن گیا۔ اس کو مہادیو یا عظیم مسیرو بھی کہتے ہیں۔ اس نے اپنی عمر کے باقی تیس سال اپنے مذہب کی تبلیغ میں صرف کر دیے۔ اس کے قبیلے کے بہت سے لوگ اس کے چیلے بن گئے۔ مہادیو کی رائے ہے کہ آدمی بار بار تکلیف برداشت کرنے کے لئے مرتا اور پیدا ہوتا ہے۔ اگر آدمی برت رکھے، پوجا کرے، دنیا کی تمام لذتوں سے کنارہ کر لے اور دھرم کے چار اصولوں پر عمل کرے تو بار بار مرنے اور پیدا ہونے کے جنجال سے نجات پاسکتا ہے۔ دھرم کے چار اصول یہ ہیں:-

نیکی، نرمی، خدمت — اور (پراسیخت) اپنے گناہوں پر افسوس کرنا۔

دھرم کے ان چار اصولوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی کا علم اور ایمان سچا ہو۔ اس کے سب کام سچے ہوں۔ وہ سب جانداروں پر رحم کرے۔ جن لوگ تمام جانداروں پر حتیٰ کہ چھوٹے سے چھوٹے کیڑے مکوڑوں پر بھی رحم کرتے ہیں۔ بہت سے جینی لوگ تو اپنی ناک پر کیڑے کی پٹی باندھ رکھتے ہیں تاکہ سانس لینے سے کیڑے اور جراثیم نہ مر جائیں۔ جینی لوگ انڈا، گوشت اور مچھلی کھانے کے سخت خلاف ہیں۔ جینیوں کے موجودہ بڑے بڑے مندر۔ آبو پہاڑ، اور پالٹانا، اور گرنار پر بت یہ ہیں۔

جین مت کے زیادہ مقبول نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ مہادیر نے زور دیا کہ آدمی سب سے زیادہ اپنے من کو مارے اور دنیا کے سب آرام چھوڑ دے۔ لیکن مہاتما بدھ نے یہ سکھایا کہ آدمی نہ تو بالکل دنیا داری سے علیحدہ ہو اور نہ ہی بالکل عیش و آرام کا بندہ ہو جائے۔ جین مت کے اصولوں پر چلنا بہت مشکل تھا۔ جین مت بہت سی باتوں میں ہندو دھرم سے ملتا جلتا تھا اس لئے — ہندو دھرم نے اسے اپنے میں ملا لیا۔



# کنڈر

جس وقت ہندوستان میں بودھ مت  
 عروج پر تھا، اس وقت ایرانی سلطنت  
 کے قدم مغرب کی طرف بڑھ رہے تھے۔  
 ایران کا شہنشاہ اس وقت دارا تھا۔  
 دوسرے بڑے بادشاہوں کی طرح اُسے بھی  
 یہ دُھن سوار تھی کہ ملک پر ملک فتح کر کے  
 اپنی سلطنت کو وسیع کرے۔ اسی خیال کو  
 مد نظر رکھ کر اُس نے یونان پر حملہ کر دیا۔  
 یونان اس وقت چھوٹی چھوٹی بہت سی  
 ریاستوں میں منقسم تھا۔ لیکن یونانی اپنی  
 آزادی کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے

اس لئے اس موقع پر وہ سب اکٹھے ہو گئے اور سب نے مل کر ایرانی فوجوں کو میرانہون کے مقام پر شکست دیدی۔

دارا کے بعد ایران کی شہنشاہیت زاکسیس کے ہاتھ میں آئی۔ اس نے بھی یونان پر حملہ کیا۔ یونان کے ایک حصے، اسپارٹا کے لوگوں نے لیونڈس کو ایرانیوں کے مقابلے کو روانہ کیا۔ لیونڈس نے اسپارٹا کے صرف تین سو سپاہیوں کے ساتھ تھر مو پائلے کے درے کی بہادری سے حفاظت کی۔ اور وہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ میدان جنگ میں کام آ گیا۔ ایرانی درے سے گزر تو گئے لیکن اس لڑائی میں انھیں کافی دیر لگی۔ بالآخر سلامیس کے قریب ایرانیوں اور یونانیوں میں ایک زبردست بحری جنگ ہوئی جس میں ایرانیوں کی فوجوں کا قلع قمع ہو گیا۔

اس کے بعد یونانی ریاستوں میں ترقی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے علوم فنون میں بڑی ترقی کی۔ سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے فاضل مدبر اور اعلیٰ فلسفی وہیں پیدا ہوئے۔ شاعری اور دستکاری بام عروج پر پہنچ گئی۔

یونان کی ریاستوں میں ایک ریاست مقدونیہ نام کی تھی۔ اس ریاست پر فلپ نام کا ایک حکمران حکومت کرتا تھا۔ اس کے ایک بیٹا تھا، جس کا نام الگزینڈر ریاسکندر رکھا گیا۔ ارسطو اسی سکندر کا

اسناد تھا۔ سن و سال کی ترقی کے ساتھ ساتھ سکندر کی قابلیت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اُسے اپنی طاقت پر غرور ہو گیا۔ وہ ایرانیوں سے یونان پر حملہ کرنے کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ایران پر حملہ کر دیا۔ ایران پر اس وقت دارا سوم حکومت کرتا تھا جو زاکریس کا بیٹا تھا۔

کہتے ہیں کہ ایران کی فتح یا جی کے بعد سکندر نے خیال کیا کہ اس نے پوری دنیا فتح کر لی ہے اور اب دنیا میں کوئی بھی ملک ایسا نہیں جسے اُسے فتح کرنا ہے۔ اس خیال سے وہ اتنا رنجیدہ ہوا کہ اس کے آنسو نکل آئے اس وقت اُس سے کسی نے کہا ”ابھی پوری



دنیا فتح نہیں ہوئی ہے، ایک ملک اور باقی ہے، جسے ہندوستان کہتے ہیں۔“ سکندر نے یہ سن کر ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ سکندر کا ہندوستان پر یہ حملہ حضرت عیسیٰ سے ۳۲۶ سال پہلے ہوا۔

اس وقت شمالی ہند میں راجہ پورو حکمراں تھا۔ جسے یونانی پورس کہہ کر پکارتے تھے۔ پورونے بڑی جوانمردی سے سکندر کا مقابلہ کیا۔ اس کی سپاہ بڑی ثابت قدمی اور دلیری سے لڑی۔ لیکن سکندر کی فوج میں گھوڑوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ادھر پورو کی فوج میں ہاتھی کثیر تعداد میں تھے۔ گھوڑے ہاتھیوں کے مقابلے میں زیادہ تیز دوڑ سکتے تھے، اس وجہ سے پورو کی فوجوں کو شکست ہوئی۔ لڑائی کے بعد جب پورو سکندر کے سامنے پیش کیا گیا اور سکندر نے اس سے دریافت کیا ”بتاؤ! تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟“ تو پورو نے بڑی شان اور بہادری سے جواب دیا ”وہی، جیسا بادشاہ، بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔“ سکندر اس جواب سے بڑا خوش ہوا اور اس نے خوش ہو کر پورو کی حکومت اسے واپس کر دی اور خود جنوب کی جانب کوچ کر گیا۔

اس زمانے میں سارے ملک کے باشندے دیہاتوں میں زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے اوپر خود ہی راج کرتے تھے۔ اس لئے انھیں شکست دینا بہت مشکل تھا۔ وہ گوریلا بندروں کی طرح اچانک سکندر کی فوجوں پر حملہ کر دیا کرتے اور رات کے اندھیرے میں غائب ہو جایا کرتے۔

اس طرح سکندر کے سپاہی گھبرا گئے۔ انہیں اپنا وطن چھوڑے بھی کافی عرصہ ہو چکا تھا، انہیں اپنا گھریا د آنے لگا۔ اس لئے دنیا کے اتنے بڑے فاتح سکندر کو واپس لوٹنا پڑا۔ وہ کشتیوں میں سوار ہو کر دریائے سندھ کے بہاؤ کے ساتھ چل دیا۔ لیکن تمام راستے اسے چھوٹی موٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ جس سے اس کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ اس طویل و طویل سفر کو ختم کر کے جب وہ ایران پہنچا تو اس کی صفوں میں بہت تنھوڑے سے سپاہی رہ گئے تھے۔ وہ خود بھی بہت تھک چکا تھا۔ آخر کار بمیلین (بابل) کے مقام پر سکندر کا انتقال ہو گیا۔ مرتے وقت اس کی عمر صرف تینتیس ۳۳ سال تھی۔ موت نے اس کے دنیا کو فتح کرنے کے خواب کو بھی ختم کر دیا۔

سکندر بڑا مغرور، شرابی اور ظالم حکمران تھا۔ اس کی شہرت کا باعث صرف یہ وجہ تھی کہ اس وقت تک کسی کے دماغ میں دُنیا کو فتح کرنے کا خیال نہ آیا تھا۔ مہر میں اسکندر یہ شہر اسی کے نام پر آباد ہوا۔

جو علاقے سکندر نے فتح کئے تھے، اُن پر اس کے جنرل حکومت کرنے لگے۔ بہت سے یونانی ہندوستان میں ہی آباد ہو گئے۔ انہوں نے ہندوستان میں رہ کر ہندوستانیوں سے بہتے ناتے

کئے اور آخر کار ہندوستانی بن گئے ۔

## موریہ خاندان

(۳۲۲ ق۔ م سے ۱۸۷ ق۔ م تک)

سکندر کے حملے کے بعد تمام شمالی ہند پر چندرگپت موریہ نے اپنے دوست چانکیہ کی مدد سے قبضہ کر لیا۔ اس خاندان کے سارے راجا موریہ کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ موریہ راجہ بڑے عقل مند، علم دوست اور مصنف مزاج تھے۔ چانکیہ ایک بڑا قابل مدبر اور دانش ور تھا۔ اس کی تصنیف کی ہوئی ایک کتاب ارتھ شاستر سے معلوم ہوتا ہے کہ موریہ راجا اپنی پر جا کی مرضی سے حکومت کرتے تھے۔ جب کوئی راجا گدی پر بیٹھتا تھا تو اسے یہ حلف اٹھانا پڑتا تھا :-

”اگر میں آپ لوگوں پر ظلم کروں، تو میں مارا جاؤں، میرے کوئی اولاد نہ ہو اور میں نرک (دوزخ) میں جلایا جاؤں“

چندرگپت نے اپنی حکومت کے سارے صوبوں کو ایک ایک اکائی کی شکل میں مضبوط کیا۔



اور یونانیوں پر قابو حاصل کر لیا۔ لیکن سیلوکس جو سکندر کا پُرانا جنرل تھا، ایک لشکر جبراً لے کر چندرگپت موریہ کے مقابلے کو آیا۔ چندرگپت کی طاقت بہت زیادہ تھی اس لئے سیلوکس نے شکست کھائی۔ اور اپنی ایک بیٹی کی شادی چندرگپت کے ساتھ کر دی۔

چندرگپت بڑا معنی انسان تھا۔ وہ آہنوسی بلیوں سے جسم کی مالش کرانے کا بڑا شوقین تھا۔ جس وقت ملازم اس کی ماسن میں مصروف ہوتے تھے تب بھی وہ رعایا کی فریاد سننے کے لئے تیار رہتا تھا۔

سیلوکس نے اپنے ایک سفیر میگیسٹھینز کو چندرگپت کے دربار میں بھیجا۔ میگیسٹھینز نے چندرگپت اور اس کے عہد کے حالات پر ایک بڑی معلوماتی کتاب لکھی۔ اس کتاب اور ارتھ شاستر سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ چندرگپت موریہ کا انتظام سلطنت کتنا عمدہ تھا۔

اس زمانے میں بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں اور خوب صورت چیزیں بنائی گئیں۔

# پاٹلی پتر

موریہ راجاؤں کی راج دھانی ہندوستان کا مشہور اور قدیم شہر پاٹلی پتر تھا۔ یہ شہر اٹلی کے شہر روم سے چار گنا بڑا تھا۔ موجودہ پٹنہ شہر اسی شہر کے کھنڈروں پر آباد ہے۔

پاٹلی پتر کا انتظام ایک مینوسیل کمیٹی کے ہاتھ میں تھا۔ یہ کمیٹی غالباً اپنی قسم کی ہندوستان میں پہلی چیز تھی۔ ایک دوسری کمیٹی بھی تھی جو شہر کے باشندوں کی پیدائش و اموات سے متعلق کاغذات رکھتی تھی۔ یہ کمیٹی کچھ اور ضروری باتوں کے اعداد و شمار بھی رکھتی تھی۔ ہمارے ملک کے اس عہد سے قبل بہت ہی کم ملک ایسے تھے جہاں ایسی کمیٹیوں کی تشکیل کی گئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے آبا و اجداد کس قدر ہنzb تھے۔

پاٹلی پتر کی حفاظت کے لئے شہر کے چاروں طرف ایک لکڑی کا مضبوط گھیرا بنا یا گیا تھا۔ جو دراصل فصیل شہر تھا۔ جس میں چونسٹھ (۶۴) دروازے اور پانچ سو (۵۰۰) سے زائد برجیاں بنائی گئی تھیں۔ اس فصیل کے اردگرد ایک گہری کھائی بنی ہوئی تھی، جس میں پانی بھرا رہتا تھا۔

راجا کا محل لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ کیونکہ اس وقت تک پتھروں کے مکانات نہ تھے۔ محل کے سنوٹوں پر سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے۔ جن پر سونے کی بلیں اور چاندی کی چڑیاں بڑی ہنرمندی سے بنائی گئی تھیں۔ محل میں ایک بڑا باغیچہ تھا جس میں خوب صورت درخت اور تالاب تھے۔ تالابوں میں مچھلیاں تیرتی رہتی تھیں۔

یہ محل اب بانچی پور اور پیٹن کے درمیان گراہر نام کے گاؤں کے نیچے دبا پڑا ہے۔ شاید موہن جو داڑو اور دوسرے شہروں کی طرح اس عظیم الشان محل اور شہر کی بھی کبھی کھدائی ہو۔

## اشوک

(۲۶۸ ق۔ م۔ سے ۲۳۲ ق۔ م۔ تک)

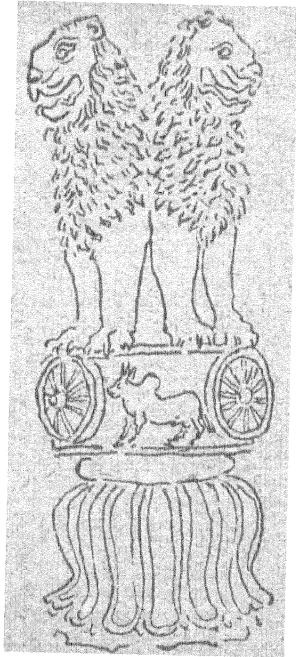
اب ہم اس سمرٹ (شہنشاہ) کا حال لکھتے ہیں جو نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے سب سے بڑے سمرٹوں میں سے ایک تھا۔ وہ چندرگپت موریا کا پوتا تھا اور اُس نے اپنے باپ واووں سے وراثت میں ایک عظیم سلطنت پائی تھی۔

اشوک ایک نیک کردار راجا تھا۔ اس نے مہاتما بدھ کی تعلیمات کو اپنے دل میں اچھی طرح سمجھا لیا۔ اُس نے تنوار سے زیادہ محبت کے بل پر فتوحات حاصل کیں۔

دراصل کلنگ کی لڑائی کے بعد ہی اس کا دل خون ریزیوں سے پھر گیا تھا۔ کلنگ کو آج کل آندھرا کہتے ہیں۔ کلنگ کی لڑائی میں جو تباہی و بربادی اور قتل و غارت گری ہوئی اسے دیکھ کر اشوک کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے اسی وقت مصمم ارادہ کیا کہ اپنی سلطنت کو وسیع کرنے کے لئے وہ کبھی ہرگز جنگ نہ کرے گا۔ اس نے کہا ”دنیا میں سب سے بڑی فتح نیکی سے حاصل ہوتی ہے“ اس نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ وہ اپنے دل سے اس خیال خام کو نکال ڈالیں کہ جنگ کر کے سلطنت کو فروغ دینا راجاؤں کا فرض (دھرم) ہے۔ اگر کبھی لڑائی ناگزیر ہی ہو جائے تو بھی صبر اور نیکی سے کام لینے سے خوشی ہوگی۔

اشوک نے مسافروں کے لئے آرام گاہیں اور بوڑھوں اور بیماروں کے لئے اسپتال قائم کرائے اس نے جانوروں کے علاج کے واسطے بھی ایک اسپتال بنوایا۔

اُس نے اپنے مشہور و معروف چودہ فرمان چٹانوں اور ستونوں پر کندہ کرائے۔ ان میں سے کچھ ستون تو آج تک موجود ہیں۔ ایک ستون الہ آباد کے قلعے میں ہے۔ یہ فرمان پر اکرت میں



لکھے گئے تھے۔ پر اگرت اس وقت عام لوگوں کی زبان تھی۔ اس زبان میں لکھے جانے کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح ہر آدمی انہیں سمجھ سکے گا۔

ہمارے قومی جھنڈے پر جو چکر بنا ہوا ہے اور ڈاکخانے کے کچھ ٹکٹوں پر جو تین شیروں کی تصویر چھپی ہوتی ہے، وہ اشوک کے ستونوں سے نقل کی گئی ہے۔

پچیس سال حکومت کرنے کے بعد اشوک نے بودھ مذہب کے مقدس مقامات کی زیارت کی۔ اس نے کپل ستون، سارناتھ اور گیا کا دورہ کیا۔ بنارس کے نزدیک، لمبینی کے باغوں میں جہاں مہاتما بدھ پیدا ہوئے تھے، اشوک نے ایک ستون تعمیر کرایا، جس پر لکھا گیا ” وہ عزت مآب ہستی (مہاتما بدھ) یہاں پیدا ہوئی تھی “ یہ ستون آج بھی وہاں موجود ہے۔

اشوک نے چالیس برس تک حکومت کی۔ اپنی حکومت کے آخری دنوں میں وہ بھکشو ہو گیا تھا۔ اس کی لڑکی چارومتی نے نیپال میں ایک شہر تعمیر کرایا اور وہاں ایک مٹھ بھی بنوایا۔ وہ خود بھکشو بن کر اس مٹھ میں رہنے لگی۔ اس شہر کا نام آج تک اسی کے نام پر چلا آتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشوک کے عہد حکومت میں مرد، عورت، بوڑھے، بچے بڑے آرام و چین سے زندگی بسر کرتے تھے۔ انہیں سب ضروریات زندگی حاصل تھیں۔ اشوک نے مختلف ممالک مصر، ایران، چین، لنکا، برما، سیام وغیرہ کے راجاؤں کو دوستی کے پیغامات روانہ کئے۔

اشوک کا بیٹا اور بیٹی، مہندر اور سنگھ مترا لنکا چلے گئے اور وہیں رہ کر انہوں نے بودھ مذہب کی اشاعت کی سنگھ مترا اپنے ساتھ ایک سنہری صندوق میں بودھ گیا کے پیل کے درخت کی ٹہنی لے گئی اور اسے وہیں بو دیا۔ یہ درخت لنکا میں آج بھی کھڑا ہے۔ یہ درخت دنیا میں قدیم ترین درخت ہے

## اشوک کے بعد

اشوک کے مرنے کے کوئی پچاس سال بعد مور یہ سلطنت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک برہمن، جس کا نام پُشیمتتر تھا، شمالی ہند کی سلطنت کا راہنما بنا۔

صوبے میں ایک ایسے خاندان کی حکومت قائم ہوئی جس کی زبان تیلگو تھی۔

پہلے بہترے اندسرنو ہندو دھرم کا پرچار کیا لیکن بودھ دھرم پھر بھی کافی مضبوط رہا۔ وسط ایشیا میں بگٹریا کے راجا میندر نے پشتیہ مہتر کی سلطنت پر حملہ کر دیا۔ وہ شکست کھا کر واپس ہو گیا۔ لیکن واپسی میں اس نے کابل اور سندھ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

اب وسط ایشیا سے پھر بھوکے خانہ بدوش حملہ آور ہونے لگے۔ ان میں سے تاریخ میں زیادہ تر باکتریا، سیسیٹیا، اور ترکی کے لوگ، ساکا اور کُشان فرقتے، مشہور ہیں۔ یہ لوگ ہندوستان میں گرسندھنی بن گئے۔ ان میں سے بہتروں نے بودھ مذہب اختیار کر لیا۔

دراصل اس زمانے میں بودھ مذہب شمال میں رکیستان گوبی، چین اور تبت تک پھیلا ہوا تھا۔ کُشان خاندان کی وسیع و عریض سلطنت جو وسط ایشیا سے لے کر ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی، اس میں اکثر و بیشتر اسی مذہب (بودھ) کے لوگ تھے۔ کُشان خاندان کے راجا کنشک نے بودھ مذہب کی اشاعت کی۔ اس نے بودھ مذہب کے بھگتوں کی کئی بڑی سبھائیں کرائیں۔ تاکہ سب لوگ ایک جگہ بیٹھ کر آپس میں صلح و مشورہ اور تبادلہ خیالات کر سکیں۔

طوائف شاخوں میں تقسیم ہو گیا۔ جہایان — اور ہینایان — جہایان میں مورتی

پوجا روارکھی گئی۔ یہ شاخ ہندو مذہب سے مشابہ تھی۔ ہنیا یاں زیادہ سیدھا سادا اور پاک صاف تھا۔

جہاں تا بدھ کی بہت سی مورتیاں بنائی گئیں اور ان کے بارے میں بہت سی کہانیاں لکھی گئیں۔ بودھ مذہب کے مٹھوں میں رہنے والوں نے مورتی بنانے اور نضویر کشتی میں بڑی جہارت حاصل کی۔ اور جہاں تا بدھ کی تعلیم ساری دنیا میں پھیل گئی۔

## عظیم ہندوستان

ہندوستان کے مشرقی گوشے میں بنگال کی ایک ریاست کے راجا نے اپنے بیٹے وجے کو ریاست سے نکال دیا۔ وجے اپنے رفیقوں کے ہمراہ لنکا جا پہنچا۔ وہاں اس نے کوٹانا نامی ایک قدیم ذات کی شہزادی سے شادی کر لی۔ کوٹانا نے اُسے لنکا فتح کرنے میں مدد دینا مانی۔ وجے کے خاندان والے اپنے آپ کو سنگھ (یعنی شیر) کی اولاد بتاتے تھے۔ اس لئے لنکا کے باشندے سنگھالی کہلائے جانے لگے۔ ۳۱ء وقت بھی لنکا کے قدیم شہروں انورا دھاپورا اور پولنار واکے لوگوں کی زندگی کا بھلا

کے لوگوں کی ۔

اس وقت آندھرا کے راجا ہندو دھرم پھیلانے میں مصروف تھے ۔ دکن کے لوگ جہاز سازی کا کام کرتے تھے اور انھیں خود چلاتے تھے ۔ انہوں نے سمندروں کو پار کر کے مشرق بعید میں کمبوچ سری چیے انکور ، مدجا پلنت ، جیے بڑے بڑے شہر آباد کیے ۔

تقریباً دو ہزار سال تک بحر ہند اور بحر الکاہل کے درمیان کے ملکوں اور جزیروں میں ہندو دھرم اور بودھ مت ، جو کبھی وہاں پہلے پہنچا ، پھلتے اور پھولتے رہے ۔ وہاں خوب صورت مندر تعمیر کئے گئے ۔ پتھروں پر تصویر کشی کی گئی ۔ اور ہندوستانی قسم کے ناچ اور ناٹک کی خوب ترقی ہوئی ۔ بعد میں ہندوستان کے باشندے تو یہ فن بھول گئے لیکن جاوا ، بالی ، سماٹرا ، کمبوڈیا ، سیام اور دوسرے ملکوں میں یہ فنون آج تک پائے جاتے ہیں ۔

# گیت خاندان

(۳۲۰ عیسوی سے ۶۵۰ عیسوی تک)

گنشان اور آندھرا حکومتوں کے ختم ہونے کے بعد پانچویں صدی میں چندرگپت نام کا ایک اور راجا ہوا۔ جس نے ایک بڑی سلطنت قائم کی۔ اس راجا کا نام چندرگپت موریا سے ملتا جلتا ہے، اس لئے ہمیں امتیاز کرنے کے لئے یاد رکھنا چاہئے کہ پہلا چندرگپت، موریا خاندان کا راجا تھا اور دوسرا چندرگپت گپت خاندان کا راجا تھا۔

چندرگپت اول کے بعد اس کا بیٹا سمدرگپت تخت نشین ہوا۔ اس نے پینتالیس سال تک حکومت کی۔ وہ نہ صرف یہ کہ بہادر سپاہی تھا بلکہ اچھا شاعر اور رقص و موسیقی کا دلدادہ بھی تھا۔ اس کے بعد گدھی پراس کا لڑکا بیٹھا جو چندرگپت دوم یا بکر مادتیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ ہم اسے دکر مادتیہ ہی کہیں گے کیونکہ اس مشہور نام کو یاد رکھنا زیادہ آسان ہے دکر مادتیہ نے اجین کو فتح کر کے اسے ہی اپنا دارالحکومت بنایا۔

اس وقت اشوک کے انتقال کو کوئی ۶۰۰ سال گزر چکے تھے، اور چوتھی عیسوی صدی اختتام پر تھی۔

اس وقت بودھ مت کے مقدس مقامات کی زیارت کرنے کی غرض سے پہلا چینی زائر فامیان ہندوستان آیا۔ اُس نے وکرما دتیہ اور اس کے عہد کے لوگوں کا بڑا مفصل حال لکھا ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ لوگ معاشی طور پر آسودہ اور خوش حال تھے۔ مسافروں کے لئے بہت سی آرام گاہیں موجود تھیں۔ دارالسلطنت میں ایک عمدہ شفا خانہ تھا؛ شاید یہ دنیا میں پہلا ہسپتال تھا، جہاں مفت علاج کیا جاتا تھا۔ لیکن چندال یا گری ہونی ذاتوں کے لوگ کوڑھیوں کی طرح شہر کے باہر رکھے جاتے تھے۔ جب وہ لوگ شہر میں داخل ہوتے تھے تو ایک بڑی لکڑی سے کھٹ کھٹ کرتے آتے تھے تاکہ شہریوں کو ان کے آنے کا علم ہو جائے۔

فامیان لکھتا ہے کہ حکومت اچھی تھی۔ اور اس وقت بھی کچھ لوگ مہاشا بدھ کی تعلیمات پر عمل کرنے والے موجود تھے۔ لیکن چونکہ گپت خاندان کے راجا ہندو تھے، اس لئے بودھ دھرم کا زور کم ہوتا جا رہا تھا۔ شہر گیا خالی اور ویران ہو گیا تھا۔ بودھ مت کے تیرتھوں کے چاروں طرف جنگل آگے آئے تھے۔ اور کپل و ستو تو تقریباً جاڑ ہی ہو گیا تھا۔

وکرما دتیہ کا زمانہ خصوصاً اُس علم و ادب کے لئے مشہور ہے جو اُس زمانے میں پھیلا پھولا۔ شوگوش اور دوسرے عالموں نے ہندی اور سنسکرت ادب کو عروج دے کر بلند مقام پر پہنچایا

رامائن اور ہابھارت کی کہانیوں کو پھر سے مرتب کیا گیا۔ اور ان پر نئے نئے نامک لکھے گئے  
 اگرچہ میں یہ ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں کہ کالیداس کس زمانے میں ہوا تھا مگر خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اسی زمانے میں ہوئے۔ کالیداس بہت ہی علمی



ادبی کتابوں کا مصنف تھا۔ شکنتلا نائک اُس کا شاہ کار سمجھا جاتا ہے۔ شکنتلا کی کہانی اس طرح ہے  
 ایک دن راجا دُشنیت شکار کھینے جنگل کو گیا۔ جنگل میں اُس نے ایک مہجین دویشیزہ —



شکنٹلا دیکھی۔ جس سے اُسے محبت ہو گئی۔ شکنٹلا کو ایک رستی نے اپنی بیٹی بنا کر بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ اس رستی نے اس لڑکی کا نام شکنٹلا اس لئے رکھا تھا کہ جب وہ چھوٹی سی تھی تو شکنت (پرندے) اس کے لئے دایہ کا کام کرتے تھے۔ شکنٹلا پرندوں اور جنگل کے جانوروں کو بہت عزیز رکھتی تھی۔ وہ ان کی بولی بھی بول سکتی تھی۔ دشمنیت نے شکنٹلا سے شادی کر لی۔ لیکن بعد میں وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ کیونکہ شکنٹلا سے وہ جادوئی انگوٹھی گم ہو گئی جو دشمنیت نے اُسے دی تھی۔ شکنٹلا جتنی خوبصورت تھی، اتنی ہی بہادر بھی تھی۔ اُس نے ہزاروں مصائب جھیلے اور آخر کار اُس نے دشمنیت کو پایا۔



کالی داس نے میگھ دوت نام کی ایک عمدہ نظم بھی لکھی تھی۔ اس نظم میں ایک ایسے عاشق کی کہانی ہے، جسے جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ اور جو بہت دُور دکن میں اپنی محبوبہ سے بچھڑ کر چلا گیا تھا۔ بادل کو اٹھتا دیکھ کر وہ بڑے والہانہ انداز میں اُس بادل سے کہتا ہے کہ میرا سندیہ میری محبوبہ کو پہنچا دے۔ بڑے خوبصورت الفاظ میں وہ بیان کرتا ہے کہ دکن سے شمالی ہند پہنچنے میں اُسے کن کن مقامات سے گزرنا ہو گا۔ اور کیسے

کیسے لوگ نظر آئیں گے۔



کالی داس کے زمانے سے پہلے کا ایک دلچسپ ناولٹ ”مرچھ کنک“  
یعنی ”کھینے کی گاڑی“ ہے۔ جو شکنتلا سے بھی زیادہ پُر اثر ہے۔  
اس میں ایک ظالم راجا کے خلاف برعابا کی بغاوت کی کہانی ہے۔

اسی زمانے میں وشاکھ دت نے ایک عمدہ ناولٹ ”مڈرارکشس“  
لکھا۔ یہ ناولٹ سب سے پہلے کرمادتیہ کے دربار میں کھیلا گیا۔ یہ ناولٹ

آج کل کے ناولٹوں جیسا ہے۔ اس میں بیان کئے گئے حالات اور خیال موجودہ زمانے جیسے ہی ہیں۔  
اس میں چندرگپت موریہ کے وزیر اعلیٰ چانکیہ کی چالاکیوں اور جعل سازوں کا بیان ہے۔ تمبھیں یاد  
ہوگا کہ یہ وہی چانکیہ ہے جس نے ”ارتھ شاستر“ لکھا تھا۔

گپت خاندان کے عہد کی پتھر کی مورتیاں اور کھلونے بہت مشہور ہیں۔ یہ مسٹرا اور دوسرے  
مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ اجنتا کے غاروں میں جو مصوری اور سنگ تراشی کے اعلیٰ نمونے موجود  
ہیں، شاید وہ بھی اسی زمانے میں مکمل کئے گئے۔

یہ دور ہندو سنمان کا سنہری دور تھا۔ ہمارے ملک کی طبی تاریخ اور دنیا کی تاریخ کے شاندار

زمانوں میں سے ایک تھا۔

بودھ مت کا پرچار کرنے والوں نے سب لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کا خیال سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ یوں تو اس دور میں جنگیں بھی ہوئیں اور گپت خاندان کے راجاؤں نے چھوٹے چھوٹے ملکوں پر حملہ بھی کیا، تاہم آپس کا میل جول اور رواداری جو برہمنوں سے چلی آتی تھی، اس زمانے میں اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی تھی۔

مصوّرکانوں سے برآمد کی ہوئی مختلف رنگوں کی مٹی سے مسٹھ (خانقاہ) محل اور مکاؤں کی دیواروں پر تصویر کشی کرتے تھے۔ ان تصویروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے لوگ کتنے خوش حال تھے اور کتنے آرام و سکون سے زندگی گزارتے تھے۔

اس زمانے میں فن رقص نے بھی بہت ترقی کی۔ رقص کی ہر ہر حرکت کا ایک مخصوص مطلب ہوتا تھا۔ اور رقص اپنے جسم کی حرکات و سکنات سے ہی ایک طبعی کہانی کہہ سُناتا تھا۔ رقص کی یہ حرکتیں بڑی دلکش ہوتی تھیں۔ کبھی یوں محسوس ہوتا تھا کہ پھول کھل گیا اور کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پھول کھلا گیا۔ کبھی رقص کے جسم کی حرکتوں سے یوں معلوم ہوتا کہ جیسے کوئی پرندہ ہوا میں پھڑپھڑاتا چلا

جار رہا ہے۔ کبھی اس کا جسم یوں بل کھاتا جیسے سانپ بل کھاتا ہے۔  
 فن موسیقی نے بھی خوب ترقی کی۔ ہر ایک راگ کی ایک خاص لے اور گت ہوتی تھی۔  
 اس زمانے کے لوگوں کے خیالات اور کارنامے اُن کہا نیوں اور نامکوں سے عیاں ہوتے ہیں،  
 جن میں سے سیکڑوں اب تک چلے آتے ہیں۔ ان سے ہمیں ان لوگوں کا طرز معاشرت معلوم ہو جاتا ہے۔  
 لوگ چین و آرام سے نئے اور ان کی زندگی بڑی سادہ تھی۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا ملک اتنا دلگھی  
 اور مظلوم کبھی نہیں رہا ہے جتنا کہ پچھلی دو یا تین صدیوں میں۔

## ہون لوگ

دگر مادتیہ کے خاندان نے تقریباً تین سو سال تک حکومت کی۔ لیکن گپت خاندان کے راجاؤں  
 پر اطراف و جوانب سے حملے ہوتے رہے۔ اور ہونوں کے پے در پے حملوں سے ان کی طاقت  
 بتدریج کمزور ہوتی گئی۔  
 ہون لوگ خانہ بدوش تھے جو وسط ایشیا سے آئے تھے۔

ایک دفعہ ان لوگوں نے اپنے سپہ سالار اتیلا کی سرکردگی میں یورپ پر بھی حملہ کیا۔ اور اُسے خوب تاخت و تاراج کیا۔ انھوں نے اسکند گپت کے عہد میں، جو گپت خاندان کا پانچواں حکمراں تھا، ہندوستان پر بھی حملہ کیا تھا لیکن اسکند گپت نے انھیں شکست دیدی تھی۔

کچھ عرصے بعد ان کے سپہ سالار تور و من نے ہندوستان پر حملہ کیا اور پنجاب و کشمیر پر قبضہ ہو گیا۔ وہ بڑا ظالم اور جا بڑ تھا، لیکن اس کا لڑکا مہیر گنل اس سے بھی زیادہ ظالم نکلا۔

ہندوستان کے لوگوں نے گپت خاندان کے ایک راج کمار، بالادتیہ کی سرداری میں ہونوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ مہیر گنل کو شکست ہوئی اور وہ قید کر لیا گیا۔ لیکن بالادتیہ نے اسے سزا کر دیا اور ہون لوگ ہندوستان میں آباد ہو گئے۔ راجپوتانے کے بہت سے خاندان انھیں ہونوں کی نسل سے ہیں۔

بالادتیہ خود تو مذہباً ہندو تھا لیکن اس کا گرو بودھ مت کا پیرو تھا۔ بد قسمتی سے اسکی حکومت کمزور ہو گئی اور نتیجہ کے طور پر ہندوستان چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں تقسیم ہو گیا۔

# ہرش

(۶۰۶ عیسوی سے ۶۴۷ عیسوی تک)

ہندوستان کی ان چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں سے ایک سلطنت قنوج کی تھی۔ قنوج آج کل کانپور کے پاس ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ پہلے اس کا نام کانہیکنج تھا، جس کا مطلب ہے۔ کبڑی لڑکیوں کا شہر۔ اس کی کہانی اس طرح ہے کہ شہر کے کسی آدمی نے ایک سادھو کو گالی دی۔ اس نے غصہ میں آکر شہر کے راجا کی سو بیٹیوں کو بد دعا (شاپ) دی۔ جس سے سب لڑکیاں کبڑی ہو گیا ہوں نے قنوج کے راجا کو مار ڈالا اور اس کی رانی راج شری کو قید کر لیا۔ اس سے متاثر ہو کر راج شری کے بھائی وردھن نے ہونوں پر حملہ کر دیا اور انھیں شکست دیدی۔ لیکن بعد میں ہونوں نے اُسے بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد ہرش وردھن، اس کا چھوٹا بھائی، اپنی بہن راج شری کی تلاش میں نکلا۔ راج شری ہونوں کی بدسلوکی سے تنگ آکر خودکشی کرنے ہی والی تھی کہ ہرش وردھن وہاں پہنچ گیا اور اُس نے اُسے بچا لیا۔

ہرش نے شمال سے لے کر دھیاہل تک کا علاقہ پوری طرح فتح کر لیا۔

ہرش نے کئی ناکام اور نظیبن تصنیف کیں۔ اس وقت چین سے ایک بودھ سیاح ہوان سانگ ہندوستان آیا۔ اور کئی سال تک یہیں مقیم رہا۔ اس نے لکھا ہے کہ بنگلہ نہایت خوب صورت اور شاندار ہے۔ یہاں کے لوگ سچے اور ایمان دار ہیں۔ اپنے عہد کے بچے ہیں۔ قسم نہیں توڑتے۔ لوگوں سے بے گار نہیں لی جاتی۔ اور نہ ہی انھیں سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ انھیں شاسن (علم صرف و نحو، انجی فنون، دستکاری، طب اور فلسفہ) پڑھائے جاتے ہیں۔

ہوان سانگ نے پریاگ (الہ آباد) میں ایک بہت بڑے میلے، کبھ کے میلے کا بھی تذکرہ کیا ہے یہ میلہ آج کل بھی پریاگ میں لگتا ہے مشہور شاعر بھو بھوتی بھی اسی زمانے میں ہوا۔

## دکن کی حکومتیں

(۶۵۰ سے ۱۳۰۰ء تک)

دکن میں کئی صدیوں تک کئی عظیم الشان نئی نئی سلطنتیں قائم ہوتی رہیں اور انہوں نے خوب عروج

پایا۔ جس وقت شمالی ہند میں ہرش حکومت کرتا تھا، اس وقت دکن میں چالوکیہ نام کی ایک زبردست

حکومت تھی۔ اس حکومت کی بنیاد پلکین نے رکھی۔ جو اپنے آپ کو رام چندر جی کی اولاد بتاتا تھا۔  
چالوکیہ خاندان بہت طاقتور ہو گیا تھا۔

اس کے بعد دکن میں پلاؤں نے حکومت کی۔ پلاؤں کا دارالحکومت کانچی پور تھا، جو آج کل  
کانچی ورم کہلاتا ہے۔ پلاؤ خاندان کے راجا بڑے جری اور جوانمرد تھے۔ انہوں نے جہاز بنائے  
اور سمندر میں دور دراز کا سفر کیا۔ ان کی فوجیں ملیشیا (جسے آج کل ملایا کہتے ہیں) جاوا، بالی  
اور سیام تک جا پہنچی تھیں۔ جہاں کچھ ہندوستانی پیہے ہی سے آباد تھے۔

دکن میں ایک اور زبردست سلطنت پانڈیہ راجاؤں کی تھی۔ ان کے عہد میں شہر مدورا  
تہذیب و تمدن کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا۔ اور تامل زبان کی شاعری نے بڑی ترقی کی۔  
ان سب سلطنتوں میں سب سے زیادہ مشہور سلطنت چول راجاؤں کی تھی۔ اسی سلطنت  
کی حدیں خلیج بنگال سے لے کر بحر عرب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ چول خاندان کے راجا کبھی جہازوں  
میں سوار ہو کر سمندروں کا سفر کرتے تھے۔

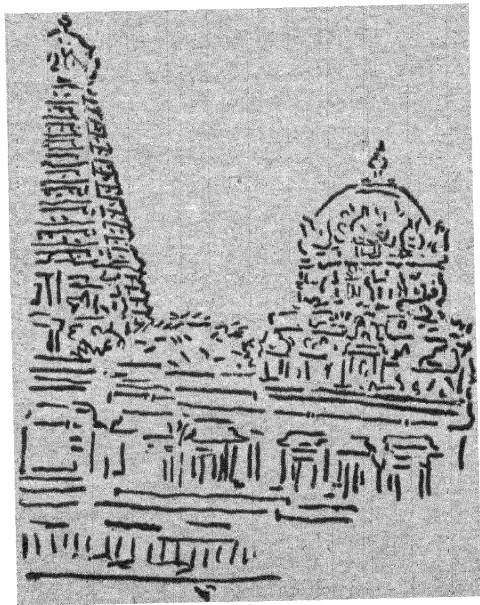
چول راج بہت زمانے تک رہا۔ جب مسلمان شمالی ہند فتح کر رہے تھے تب بھی یہ راج اسی  
طرح قائم رہا۔ گپت سلطنت کے بعد ہندوستان کی دوسری بڑی سلطنت یہی تھی۔

چول خاندان کے راجاؤں نے بہت سے مندر تعمیر کروائے۔ ان مندروں کی وجہ سے  
 مورتی سازی اور تصویر کشی کے ہنر کی بڑی ترقی ہوئی۔

دکن کے ان راجاؤں کے زمانے میں ہندو دھرم پھر ترقی کر رہا تھا۔ اور بودھ مت و جین مت  
 رفتہ رفتہ ختم ہوتے جا رہے تھے۔ ہندوؤں نے بہت سے خوب صورت مندر بنوائے۔ ان میں کیلاش  
 کا مندر جو ریاست حیدرآباد میں ایلورا کے مقام پر واقع ہے، سب سے زیادہ خوبصورت  
 سمجھا جاتا ہے۔ یہ مندر ایک ہی چٹان کو تراش کر بنایا گیا ہے۔ اس میں شیو، کالی،  
 کرشن اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی عمدہ مورتیاں ہیں۔ یہ مورتیاں کچھ ایسے فن کارانہ  
 طریقے پر تراشی گئی ہیں کہ بالکل جیتی جاگتی معلوم ہوتی ہیں۔ مندر کے اندر جانے والے آدمی کو  
 یوں محسوس ہوتا ہے کہ مندر سنسان نہیں ہے، بلکہ وہاں پہلے ہی سے بہت سے آدمی موجود ہیں۔  
 نفلج بیجا پور میں ایک اور مندر ہے، جسے ”بادامی غار“ کا مندر کہتے ہیں۔ اس میں بہت  
 سی خوبصورت مورتیاں قطار اندر قطار رکھی ہوئی ہیں، جو زبان حال سے دیوتاؤں، خاصاً شیو جی  
 کی کہانی سناتی ہیں۔ ان میں ایک نرسنگھ، ایک جنگلی سور، اور ناچتے ہوئے بونوں کی  
 مورتیاں بھی ہیں۔

علاوہ ازیں تنجور میں ایک اور عالیشان مندر ہے جسے چول خاندان کے راجا، راج راجا نے بنوایا تھا۔ اور کابھی درم و مدورا کے حسین مندر بھی ہیں۔ جن میں لمبے لمبے برآمدوں میں انوکھی انوکھی مورتیاں ہیں۔

چول خاندان کے زمانے میں بنائے گئے مندروں کی کاشی کی چیزیں اور مورتیاں دنیا کی سب سے خوبصورت مورتیوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ ہمیں اپنے آبا و اجداد سے پتھر کی خوبصورت مورتیوں اور حسین نقوہیروں کا ایک بیش قیمت خزانہ ملا ہے۔ جس پر ہمیں یقیناً فخر کرنا چاہئے۔ لیکن ان چیزوں پر فخر وہی شخص کر سکتا ہے جو ان چیزوں کی باریکیوں سے واقف ہو۔ اس لئے



ہر ہندوستانی کا فرض ہے کہ وہ قدیم ہندوستان کی ان شاندار اور ناورد چیزوں کو دیکھے اور سمجھے۔  
 ہمارے بزرگوں نے ہمارے لئے بڑی عمدہ اور پُر مغز کتابیں بھی چھوڑی ہیں۔ ان میں سے بہت سی  
 کتابیں شری شنکر اچاریہ کی تصنیف ہیں جو مابار کے کسیرالاعلاقتے میں پیدا ہوئے  
 تھے۔

شنکر اچاریہ اس ملک کے بہت بڑے اور بلند پایہ فلسفیوں  
 میں سے تھے۔ وہ پینتیس (۳۵) سال کی ہی عمر میں دنیا سے چل  
 بسے۔ لیکن اس قبل مدت میں ہی انہوں نے اس زمانے کے  
 سب شاستر اور علوم و فنون سیکھ لئے تھے۔ وہ بڑی دور دور  
 گھومے اور بہت سے عالموں اور پنڈتوں سے بحث و مباحثے کئے۔  
 انہوں نے بڑی عمدہ عمدہ کتابیں لکھیں جنہیں آج تک بہت سے  
 پنڈت سند کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علم  
 اور سچی خدمت سے ہندو دھرم کو بہت بلند مقام پر پہنچا دیا اور بودھ  
 مت کا زور توڑ دیا۔ انہوں نے بلوہ مت پر اتنی کاری ضربیں



لگائیں کہ آخر کار بودھ مت ہندوستان سے بالکل اٹھ گیا۔ شکر آچاریہ نے لوگوں کو شیو کی پوجا کی تعلیم دی۔

دکنی ہندوستان میں نٹ راج (رقص کرتی ہوئی شیو کی مورتی) کو ہندو دھرم کا سب سے بلند نشان سمجھا جاتا ہے۔

پس دکن کی یہ سلطنتیں تقریباً ایک ہزار سال تک بڑے طمطراق سے فروغ پاتی رہیں۔

## حضرت محمد

(۶۱۰ء سے ۶۳۲ء تک)

جب ہندوستان میں گپت سلطنت مائل بہ عروج تھی تو یورپ میں قدیم رومی اور یونانی تہذیبیں ختم ہو چکی تھیں اور بحر روم کے نواحی ملکوں میں چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں۔

ریگ زار عرب میں، جو بحر روم اور ایران کے درمیان واقع ہے، زمانہ سلف سے ہی خانہ بدوش اقوام آباد تھیں۔ یہ اقوام بڑی خود دار اور جفاکش تھیں۔ جہاں کہیں انھیں زرخیز زمین ملتی، وہاں

کاشت شروع کر دیتیں یا تجارت کر کے زندگی بسر کرنے لگیں۔ یہ تو میں پیغمبر کی مورتی کی عبادت کرتی تھیں۔ بالآخر اس تاریک و تاریک میں روشنی کی کرن چمکی۔ مکہ میں حضرت محمد پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی محمد صاحب سیدھے سادے اور نیک اطوار تھے۔ ہر شخص کا اعتماد انھیں حاصل تھا۔ لیکن بڑے ہو کر جب انہوں نے عرب کے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ وہ مورتی پوجا سے باز آئیں اور آپس میں بھائی چارہ اور صلح و آشتی سے زندگی بسر کریں تو جاہل لوگوں نے انھیں شہر بدر کر دیا۔ وہ وہاں سے یثرب چلے گئے۔ اور مسلمانوں کے کہنے کے مطابق وہ ہجرت کر گئے۔ یہ واقعہ ۶۲۲ء میں ظہور پذیر ہوا۔ اور اسی دن سے مسلمانوں کی جنتری کا آغاز ہوتا ہے۔ یثرب کے لوگوں نے محمد صاحب کو اپنا پیغمبر تسلیم کر لیا اور ان کی بڑی خاطر مدارات کی۔ یثرب کا نام تبدیل کر کے مدینہ رکھ دیا گیا۔ مدینہ کا پورا نام ”مدینۃ النبی“ یعنی ”پیغمبر کا شہر“ ہے۔

مدینہ پہنچ کر حضرت محمد نے لوگوں کو اسلام کی تعلیم دی۔ انہوں نے عرب کے لوگوں کو حقیقی بھائیوں کی طرح میل جول سے رہنا اور دوسروں سے محبت لکھنا سکھایا۔ ہجرت کے سال سے لیکر سات سال کے اندر اندر اسلام کی تعلیم سارے عرب میں پھیل گئی۔ حضرت پھر مکہ واپس آئے۔ لوگوں نے انھیں اپنا بادشاہ اور رسول تسلیم کر کے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ محمد صاحب نے

جو تعلیم لوگوں کو دی اسے جمع کر کے ایک کتابی شکل دی گئی۔ اس کتاب کو قرآن کہتے ہیں۔ ان کی حلت کے بعد قرآن مسلمانوں کی مقدس کتاب ہو گئی۔ محمد صاحب کے بعد ان کے جانشین ان کے ایک رشتہ دار ابوبکر قرار پائے۔ اور ان کے بعد اور دوسرے لوگ۔ یہ لوگ خلیفہ کہلائے۔ ان کا انتخاب عوام کی رائے سے ہوا۔

حقیقی مہاجروں کی طرح مل جل کر رہنے، سادہ زندگی بسر کرنے اور صرف ایک خدا کے اوپر یقین کرنے کی جو تعلیم حضرت محمد نے دی، اس سے عرب قوم میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ لوگ مضبوط اور طاقتور تو پہلے ہی سے تھے، اب انہوں نے سیریا، ترکی اور ایران فتح کر لیا۔ اور وہاں کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے مشرق وسطیٰ کے ملکوں کو ملا کر ایک سلطنت قائم کی۔ اور چین سے لے کر اسپین تک اسلامی حکومت بن گئی۔

لیکن جب مسلمان بادشاہوں نے نئے نئے ملکوں کو فتح کیا، تو وہ برادرانہ زندگی گزارنے اور خدا کی وحدانیت سے غافل ہو گئے۔ وہ عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ شان و شوکت سے زندگی گزارنے لگے۔ اور خود مختار ہو گئے۔ خلیفہ ہارون رشید (جس کے متعلق ہزاروں کہانیاں مشہور ہیں) کے مرتے ہی اس کے سرداروں نے اپنی علیحدہ علیحدہ سلطنتیں بنانی شروع کر دیں۔

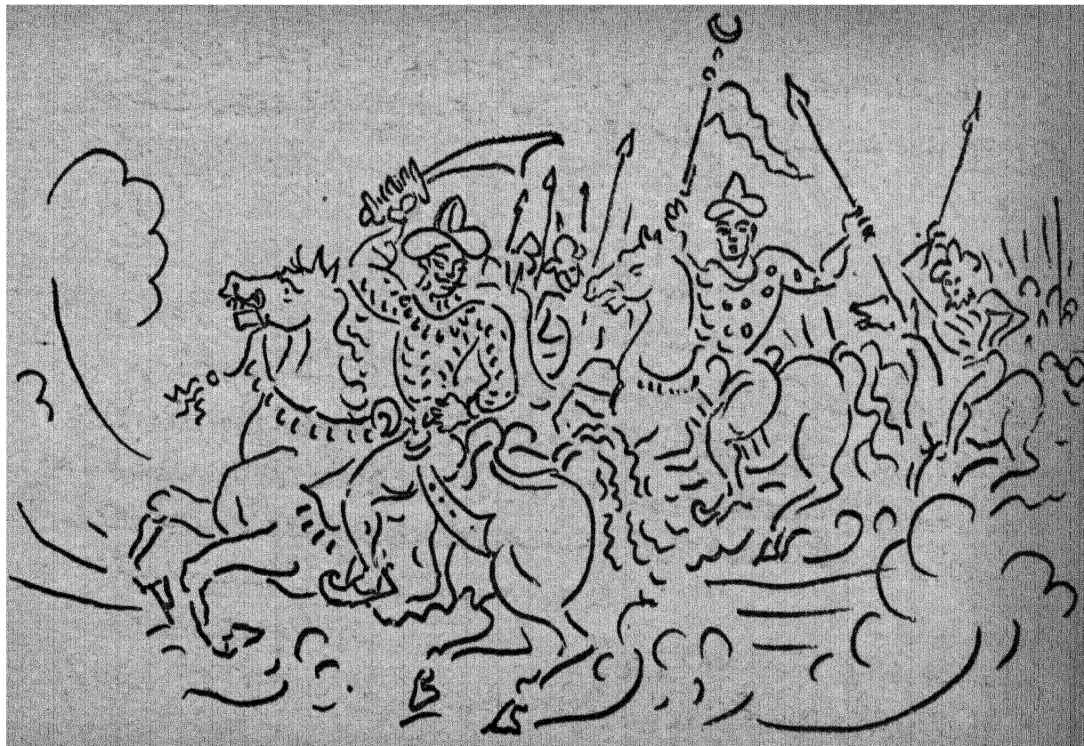
ان میں ایک ترک غلام بھی تھا، جس کا نام سبکتگین تھا۔ اس نے تقریباً ۱۵۷۹ء میں غزنی اور قندھار کے گرد و نواح میں اپنی خود مختار سلطنت قائم کر لی۔ سبکتگین نے ایک دوبارہ ہندوستان پر بھی حملہ کیا۔

## محمود غزنوی

(۶۹۹ء سے ۱۰۳۰ء تک)

اس وقت ہندوستان کے پڑوسی ممالک نئے نئے مقبوضات فتح کرنے کی فکر میں تھے۔ لیکن شمالی اور جنوبی ہندوستان کی سلطنتوں کے دربار عیش و عشرت اور رنگ رلیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ ان میں آپس میں لڑائیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ اشوک اور گپت خاندان کے راجاؤں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے پورے ہندوستان میں ایک سلطنت قائم کر دی تھی لیکن اب اس سلطنت کے بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو رہے تھے۔

ایسی حالت میں جبکہ ہندوستان کے راجاؤں میں آپس میں بھوٹ اور نفاق تھا اور ہندوستان کی طاقت لوٹ رہی تھی، تو باہر کے لوگ ہندوستان کی دولت و ہمت لوٹنے کی فکر کر رہے تھے۔



محمود غزنوی جو اپنے باپ سبکتگین کے بعد تخت نشین ہوا، پہلا مشہور بادشاہ تھا جو ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ وہ ایک قابل جرنیل اور عمدہ سپہسوار تھا۔

محمود نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے۔ اس کی فوجوں نے شمالی ہند کے خوبصورت شہروں اور مندروں کو خوب تاخت و تاراج کیا اور لوٹا۔ ان مندروں میں سومناٹھ کا مندر بھی تھا۔ محمود نے بڑی چالاکی سے کام لیا۔ وہ اچھی طرح اس راز سے واقف تھا کہ اپنی فوج کے دل میں دوسرے مذہب کی طرف سے نفرت کا بیج بو کر ہی وہ اُسے دور دراز ملکوں میں لے جاسکتا ہے۔ اس لئے اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ صرف مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ہندوستان پر حملے کرتا ہے۔ دراصل اس کا مقصد صرف ہندوستان کی دولت لوٹنا اور اپنی طاقت بڑھانا تھا۔

محمود نے اپنی سلطنت کو اپنے دار الحکومت غزنی سے لے کر پنجاب تک وسیع کر لیا۔ اس کے مرنے کے بعد تقریباً ایک صدی یا اس سے زیادہ عرصہ تک اس کے خاندان کے لوگ حکومت کرتے رہے۔

# پٹھان خاندان

(۱۲۰۰ء سے لے کر ۱۵۲۶ء تک)

ہندوستان پر آئے دن مختلف اقوام حملے کیا کرتی تھیں، لیکن راجپوت راجاؤں نے پھر بھی آپس میں اتحاد پیدا نہ کیا۔ جب کبھی کوئی بادشاہ بیرونی ملک سے اُن پر حملہ آور ہوتا تھا تو وہ تنہا اس کا مقابلہ کرتے تھے۔ یوں تو وہ بڑی بہادری اور دلیری سے لڑتے تھے لیکن غنیم کی فوج کی کثرت کی وجہ سے شکست اٹھیں کی ہوتی تھی۔

دہلی کے حکمراں پر تھوڑی راج چوہان نے حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس نے ایسی جوانمردی دکھائی کہ اس کے کارناموں پر کسی طویل نظمیں لکھی گئیں۔ لیکن وہ بھی اپنے ملک کی حفاظت کرنے کے لئے شمالی ہند کے دوسرے راجاؤں کو اپنے ساتھ نہ ملا سکا۔ اس پر اس نے ایک بڑی غلطی یہ بھی کی کہ اس نے قنوج کے راجا کے چند کی لڑکی کو اعزاز کیا، جس سے قنوج کے راجا اور دوسرے راجا اس سے ناراض ہو گئے اور اس سے جلنے لگے۔

اس لئے جب شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر حملہ کیا تو وہ بڑی آسانی سے

ملک کے اندر دوڑتک چلا آیا اور جو بھی اس کے سامنے آیا اسے اس نے بڑی آسانی سے شکست دیدی۔ محمد غوری اس خاندان سے تعلق رکھتا تھا، جس نے غزنی خاندان کے زوال کے بعد غزنی کی حکومت حاصل کی تھی۔ غوری کے حملے نے ہندوستان میں پٹھانوں کی فتح کے دوسرے دور کا آغاز کیا۔

غوری نے ہندوستان پر محمود غزنوی کی طرح صرف لوٹ مار کے مقصد کو ہی مد نظر رکھتے ہوئے حملہ نہ کیا تھا بلکہ وہ حقیقتاً اسلام کی اشاعت چاہتا تھا۔ اس کی فتح کے بعد سارے شمالی ہند، بنگال اور دکن تک پٹھانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ دہلی دارالسلطنت قرار پایا اور یہاں سے بادشاہ اپنے صوبے داروں کے ذریعہ ملک کے مختلف صوبوں پر حکومت کرنے لگے۔

غوری کی موت کے بعد قطب الدین ایبک جو کسی وقت غوری کا غلام رہ چکا تھا، تخت کا وارث مان لیا گیا۔ اور اس طرح غلام خاندان کی حکومت کا آغاز ہوا۔

قطب الدین نے دہلی میں ایک بلند مینار تعمیر کرایا۔ یہ مینار جسے قطب مینار کہتے ہیں، الممش کے زمانے میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ الممش قطب الدین کا ایک درباری تھا جو اس کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا۔

اس کے بعد المہتمش کے بیٹے کا وزیر بلبن بادشاہ بن گیا۔ وہ ایک عقل مند اور دور اندیش حکمران تھا۔ اس نے اپنے مسلمان سرداروں اور ہندو راجاؤں میں میل ملاپ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ کسانوں کے ساتھ بڑی نرمی کا برتاؤ کیا۔

لیکن اس وقت وسط ایشیا کے مغل ہندوستان پر حملے کرنے لگے تھے۔ باہر کے لوگ تو ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ کب اس ملک میں پھوٹ پیدا ہو اور کب وہ حملہ کریں۔ بلبن کا بیٹا شہزادہ محمد مغلوں سے لڑتے لڑتے مارا گیا۔ بلبن کو بیٹے کی موت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ برداشت نہ کر سکا اور کچھ عرصہ کے بعد وہ بھی مر گیا۔

بلبن کی موت کے بعد متقدد کمزور بادشاہ ہوئے۔ آخر کار جلال الدین خلجی نے تخت سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ اور خلجی خاندان کا دور شروع ہوا۔ جلال الدین ضعیف اور نرم طبیعت کا انسان تھا۔ جلال الدین بغاوت کرنے والوں کو معاف کر دیتا تھا۔

علا رالدین خلجی جو اس کا بھتیجا اور داماد تھا، بڑا جری اور عالی حوصلہ آدمی تھا۔ اس نے بوڑھے جلال الدین کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔  
علا رالدین بڑا ظالم اور سنگدل تھا لیکن سیاست کے میدان میں بہت چالاک تھا۔ جس نے بھی

اس کے خلاف بغاوت کا سرا اٹھایا، خواہ وہ مسلمان تھا یا ہندو، اس نے نہایت بے دردی سے کچل دیا۔  
 اس نے چنوڑ پر حملہ کیا اور قلعہ کا  
 محاصرہ کر لیا۔ اس مشہور واقعہ کی داستان  
 اس طرح ہے :



کہتے ہیں کہ ایک دن علاء الدین نے  
 سنا کہ چنوڑ کی رانی پدمنی نہایت حسینہ  
 اور خوبصورت ہے۔ وہ چنوڑ گیا اور  
 راجپوتوں سے کہا کہ میں تو صرف رانی  
 ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ راجپوت  
 رانی کو دکھانے کے لئے آمادہ ہو گئے  
 وہ علاء الدین کو ایک کمرے میں لے گئے  
 لیکن وہاں رانی پدمنی نہ تھی۔ علاء الدین  
 کو اشارہ کیا گیا کہ وہ ایک شیشے کی

طرف دیکھے، جس میں رانی پدمنی کا عکس تھا۔ علامہ الدین راجپوتوں کی دانائی کے آگے مات کھا گیا اور تمام حاضرین ہنس پڑے۔ اس پر علامہ الدین بہت برہم ہوا۔ وہ فوراً وہاں سے باہر نکل آیا۔ اور بعد میں ایک لشکر جرار لے کر چوڑ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ راجپوتوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن جب ان کی رسد ختم ہو چلی تو وہ کھلے میدان میں آگئے اور بڑی دلیری سے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن ان کی تعداد کم تھی اس لئے انھیں شکست ہوئی۔ ایک راجپوت بھی زندہ نہ بچ سکا۔ علامہ الدین اب قلعہ میں گیا اور پدمنی کو تلاش کرنے لگا۔ لیکن اُسے ایک راکھ کے ڈھیر کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ملا۔ پدمنی اور چوڑ کی دوسری عورتیں چٹامیں جل کر سستی ہو گئی تھیں۔

بعد میں علامہ الدین نے ایک ہندو عورت سے شادی کی اور اس کے بیٹے نے بھی اسی طرح ایک ہندو عورت سے شادی کی۔

علامہ الدین نے اپنی زندگی ہی میں پورے ملک میں ایک سلطنت قائم کر دی تھی۔ ہر طرف امن و امان ہو گیا تھا۔

وہ شاعروں اور دستکاروں کی بڑی عزت کرتا تھا اور انھیں انعام و اکرام سے خوب نوازتا تھا پھٹان، غلام اور غلی خاندان کے بادشاہوں کے عہد حکومت میں بیرونی ممالک سے آئے ہوئے

مسلمان ہندوستان کو اپنا ملک سمجھ کر یہیں آباد ہو گئے۔ کچھ ہندو جو اکثر و بیشتر نیچی ذالوں سے تعلق رکھتے تھے، مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے مذہب اسلام میں یہ خوبی دیکھی کہ مسلمانوں میں ذات پات کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ مسلمانوں نے بھی ہندو سوسائٹی کی بہت سی رسمیں اور مذہبی خیالات اپنالے۔

علاء الدین کی موت کے بعد شمالی ہند میں بڑا انتشار پھیل گیا۔ اور ملتان کا گورنر عنایت الدین تغلق تخت دہلی پر بیٹھ گیا۔ جب وہ بادشاہ بنا تو کافی بوڑھا ہو چکا تھا لیکن پھر بھی حکومت میں وہ اصلاحات جاری کیں جو علاء الدین نے شروع کی تھیں۔ اس نے نہریں کھدوائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ قبضہ زمین زیر کاشت آسکے۔ اس نے کسانوں پر ٹیکس کم کر دیا۔ اس نے ڈاک کا بھی عمدہ انتظام کیا جس میں گھوڑ سوار ہر کارے ڈاک ایک چوکی سے دوسری چوکی تک لے جاتے تھے۔

اس کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا محمد تغلق تخت نشین ہوا۔ وہ بڑا متبحر عالم تھا۔ بہت سے علوم و فنون کا ماہر تھا۔ اس وقت ہر طرف بد امنی کا دور دورہ تھا۔ ملک کے شمالی مغربی علاقوں پر منگولوں کے حملے کر رہے تھے، اس لئے محمد تغلق نے دارالسلطنت بجائے دہلی کے دکن کے ایک شہر دیوگری کو قرار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دہلی اُجاڑ ہو گئی۔ محمد تغلق کے زمانے میں مور قوم کا ایک سپاہی ابن بطوطہ اسپین سے ہندوستان آیا۔ اس نے دہلی کے بارے میں لکھا تھا :-

”سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا ہے۔ شہر اس بڑی طرح اُجڑا ہے کہ ایک کُتا یا بٹی تک دیکھنے کو نہیں ملتی۔“ دوسرے بادشاہوں کے مانند محمد تغلق بھی تمام روئے زمین کو فتح کرنے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔

تقریباً اسی زمانے میں امیر خسرو جیسا عظیم شاعر پیدا ہوا، جس نے ہندی اور اردو شاعری کی بنیاد ڈالی۔

اس زمانے میں ظالم اور مشہور منگول جنرل چنگیز خاں پوری ایشیا پر چھا رہا تھا۔ وہ بھی پوری دنیا کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ اس ارادے کے ماتحت اس نے ہندوستان کا بھی رخ کیا اور ہندوستان کے دروازے تک آپہنچا۔ لیکن ہندوستان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ جلد ہی مغرب کی جانب روانہ ہو گیا اور اس طرح ہندوستان ایک بڑی آفت سے محفوظ رہا۔

لیکن ہندوستان کی حالت پھر بھی نہیں سدھری۔ فیروز تغلق نے جو محمد تغلق کے بعد گدی پر بیٹھا امن و امان برقرار رکھنے کی کوشش کی، لیکن وہ کٹر مسلمان تھا اور اس نے ہندوؤں پر مظالم توڑنے دہلی کے بادشاہ کے صوبیدار اور سپہ سالار جو ملک میں دور دراز صوبوں پر حکومت کرتے تھے، مدت سے دہلی کے بادشاہ کے خلاف سر اٹھا رہے تھے۔ اس لئے ملک میں بڑی افرت مچی ہوئی تھی۔ اس

گرٹ بڑ کی خبریں باہر بھی پہنچیں۔

جب تاتار قوم کے ظالم بادشاہ تیمور لنگ نے یہ خبریں سُنیں تو وہ ایک بڑی سپاہ لے کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ وہ شمالی مغربی دروں سے گزر کر آندھی کی طرح یہاں کے زر خیز میدانوں پر چھا گیا۔ یہاں بھی اس نے دہی کیا جو ایران، سمرقند اور بھٹان میں کر آیا تھا۔ یعنی جو شہر یا گاؤں اُس کے سامنے آیا، اُسے تباہ و برباد کر کے زمین سے ہموار کر دیا، لوگوں کو بے دریغ قتل کیا، ان کے گھروں کو جلا کر راکھ کر ڈالا۔

تیمور لنگ آیا، لوٹا کھسوتا اور چلا گیا۔ ہندوستان کے لوگ پھر اسی طرح رہنے لگے جیسے رہتے تھے۔ کسان لوگ جو ادھر ادھر بھاگ نکلے تھے پھر اپنے اپنے کھیتوں پر آ گئے۔ اس کے بعد تقریباً سو سال تک دہلی کے تخت پر سید اور لودھی خاندان کے حکمران راج کرتے رہے۔ اس دوران میں راجپوتوں نے اپنی طاقت پھر اتنی بڑھالی کہ دہلی کی سلطنت کا چراغ گل ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اس وقت ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی بہت سی چھوٹی موٹی سلطنتیں بن گئیں۔ سب سے مضبوط اور طاقتور سلطنت وجے نگر کی تھی۔

جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں کہ حکومت کی تبدیلی سے گاؤں والوں کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں

آتی تھی۔ وہ اسی طرح زندگی بسر کرتے رہتے تھے۔ گاؤں میں پنچایت ہی کا راج رہتا تھا۔ کسان کبیرتی باڑی کے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ ہندو اور مسلمان ایک ساتھ ہنسی خوشی دن گزارتے تھے۔ اسلام پر ہندو دھرم کی پوجا کے طور طریقوں کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ جس سے بہت سے سادھو سنت فقیر اور اولیاء پیدا ہوئے۔ اور انہوں نے لوگوں کو نیکی کا راستہ دکھایا۔

## ہندو دھرم کے تین بڑے فرقے

اس زمانے میں ہندو دھرم تین بڑے متوں یعنی فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ پہلے فرقے کے لوگ وشنو کو سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے۔ اس فرقے کے لوگ ویشنو (بسنی) کہلاتے تھے۔ ویشنو کو نیا دھرم نہ تھا۔ ویدوں میں سورج کو بھی وشنو کہا گیا ہے۔ اور کبھی کبھی تورام اور کرشن کے لئے بھی لفظ وشنو ہی آیا ہے۔ ویشنومت کے مطابق انسان وشنو کی پرستش کر کے ایسٹور تک پہنچ سکتا ہے۔ ویشنومت زیادہ تر شمالی ہندوستان میں پھیلا۔

دوسرے مت والے شیو کو سب سے اعلیٰ دیتا مانتے تھے۔ اس فرقے کے لوگ شیو کی پوجا اتنے ہی تقدیس اور احترام سے کرتے تھے جتنی ویشنومت والے دشنو کی۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ گرو شنکر آپاریہ نے اس مت کو جنوبی ہندوستان میں پھیلانے میں بڑی کوشش کی تھی۔ دکن میں آج کل بھی یہی مت پھیلا ہوا ہے۔

تیسرے مت والے شکتی یا کالی کو الیٹور کا اوتار مانتے تھے۔ دشنو اور شیو کے بھکتوں کی طرح اس مت کے لوگ کالی کی بھکتی کرتے ہیں۔ بنگالی سننوں نے اس مت کو سارے مشرقی ہندوستان میں پھیلا دیا تھا۔

رامانج، راماند، تمسی واس، دلجھ، میرا بانی، تکارام اور چٹینیہ جیسے سادھو سننوں نے ویشنومت کا پرچار کیا۔ انہوں نے دشنو، یارام اور کرشن کی بھکتی کے بھجن گائے۔ اور لوگوں کو بتایا کہ وہ بھگوان کی پوجا اپنے دل میں کریں اور اس کے لئے انہوں نے بھکتی کا راستہ بتایا۔ ان میں سے کچھ سننوں نے ذات پات کے فرق کی بھی بہت برائی کی۔ اس سلسلے میں کبیر کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ کبیر مسلمان تھا۔ لیکن وہ راماند کو اپنا گرو مانتا تھا۔ وہ جولاما تھا۔ دن بھر کپڑا بنتا رہتا اور بھجن گاتا اور لوگوں کو اپدیش دیتا رہتا تھا۔ اس کی موت پر ہندو اس کے جسم کو جلانا چاہتے تھے اور مسلمان اُسے دفن کرنا چاہتے

تھے۔ کہتے ہیں کہ جب اس کی لاسٹ پر سے چادر ہٹائی گئی تو وہاں پھولوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا۔ آدھے پھول ہندوؤں نے لے لئے اور آدھے مسلمانوں نے۔ اور اس طرح جھکڑا مٹ گیا۔  
 اس کے بعد ہمارے ملک میں جتنی نظمیں لکھی گئیں، وہ کسی نہ کسی حد تک ان تینوں منوں میں سے کسی ایک سے متاثر ہیں۔ اور آج کل بھی ہر گاؤں اور قصبے میں کچھ لوگ وشنو کی پوجا کرتے ہیں، کچھ شیو کی اور کچھ کالی کی۔

ان کے علاوہ ایک سنت اور بھی ہوئے ہیں جنہیں گرونانک کہتے ہیں۔ انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک کرنا چاہا۔ وہ مندروں میں بھی جاتے تھے اور مسجدوں میں بھی۔ بہت سے کسانوں نے ان کی تعلیم کی طرف توجہ کی، کیونکہ وہ لوگ برہمنوں اور مسلمان جاگیرداروں کے سناٹے ہوئے تھے۔ گرونانک کی کوششوں سے ہندو اور مسلمان تو ایک نہ ہوئے لیکن ہندوستان میں ایک نیا مذہب — سکھ مذہب ضرور پیدا ہو گیا۔ اس مذہب میں محمد صابح اور ہندوؤں کے بھکتی فرقے کی تعلیم کی آمیزش ہے۔ اس مذہب نے خاموشی سے ایشور کی پوجا کی تعلیم دی۔

# بابر

(۱۵۲۶ء سے ۱۵۳۰ء تک)

اب ہندوستان پر شمال کی طرف سے ایک نیا حملہ ہوا۔ بابر نے جس کا سلسلہ خاندان تیمور لنگ تک پہنچتا تھا، اب سے تقریباً ۴۲۵ سال پہلے تختِ دہلی پر قبضہ کر لیا۔ بابر منگول نسل سے تعلق رکھتا تھا اسلئے ہندوستان کے لوگ منگولوں کو مغل کہنے لگے۔

دہلی پر قابض ہونے کے دو سال بعد ہی بابر نے راجپوتوں کی طاقت کو کچل ڈالا۔ اور اس طرح مغل سلطنت کی بنیاد رکھی۔

بابر شاہی خاندان کا فرد تھا۔ وہ بڑا بہادر، جرمی اور نڈر تھا۔ ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے صرف ۸۴ گھنٹے میں ۱۵۰ میل کی مسافت طے کی اور دو جگہ دریائے گنگا کو تیر کر پار کیا۔

بابر بڑا حُسن پرست تھا۔ اس نے باغات لگوائے۔ اور خوب صورت نظمیں لکھیں۔ اس نے اپنی سوارِ نوح عمری ”بابر نامہ“ بھی لکھی، جس میں بہت سی دلچسپ اور عمدہ باتیں ہیں۔ جن ملکوں کو اس نے فتح کیا وہاں

کے پھولوں پھولوں کا بڑے دلچسپ اور دلکش پیرائے  
 میں بیان کیا ہے۔ پھولوں سے اسے اس قدر رعایت  
 تھی کہ اس کی کوئی بات پھولوں کے ذکر سے خالی نہ ہو  
 تھی۔ ایک جگہ وہ لکھتا ہے :-

”میرادل ایک گلاب کی کلی ہے، سُرخ  
 گلاب کی کلی!“

”جس میں سُرخ پتیاں نہ درتہ ہیں،

جن کا رنگ شعلوں جیسا ہے.....“

کہا جاتا ہے کہ اُس نے اپنے چہیتے بیٹے ہمایوں کے لئے اپنی جان نثار کر دی۔ ہمایوں ایک مرتبہ سخت  
 بخار میں مبتلا تھا۔ با بر نے اس کی چار پائی کے گھر دیکھ کر دعا مانگی کہ ہمایوں صحت یاب ہو جائے، اور اس  
 کے بدلے موت مجھے آجائے۔ اور ہوا بھی ایسا ہی۔ کچھ ہی دنوں بعد ہمایوں تندرست ہو گیا اور با بر کو ایسا  
 بخار چڑھا کہ وہ دُنیا سے چل بسا۔  
 با بر کی موت کے دس سال بعد ہمایوں کو راج گدی سے دست بردار ہونا پڑا۔ ایک پٹھان سردار،

شیرشاہ نے ہمایوں کو شکست دیدی اور ہمایوں کو ایران بھاگ جانا پڑا۔

## سوری خاندان

(۱۵۴۰ء سے ۱۵۵۵ء تک)

شیرخان نے گدی پر بیٹھ کر شیرشاہ سوری کا لقب اختیار کر کے شمالی ہندوستان پر حکومت کی۔ وہ نہایت محنتی، جفاکش، بہادر اور مستقل مزاج بادشاہ تھا۔ اس نے کھیتوں کی پیمائش کا طریقہ رائج کیا تاکہ ہر کسان سے اس کی زمین کے مطابق ٹھکان وصول کیا جائے۔ اس نے شمال سے دہلی آنے والی بڑی سڑک کی مرمت کرائی۔ اس نے بہت سی نہریں کھدوائیں۔ لیکن وہ سات سال ہی حکومت کرنے پایا تھا کہ دُنيا سے کوچ کر گیا۔ اس کے بعد اس کے خاندان کے دو بادشاہ اور ہوئے جن کے زمانے میں سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوئی۔ ہمایوں کو جب یہ خبر ملی تو اس نے شاہ ایران ٹھہراسپہ کی مدد سے ایک فوج جمع کی اور ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔

اس نے دہلی کی سلطنت پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ لیکن ایک سال بعد ہی وہ دہلی کے پرانے قلعے کے

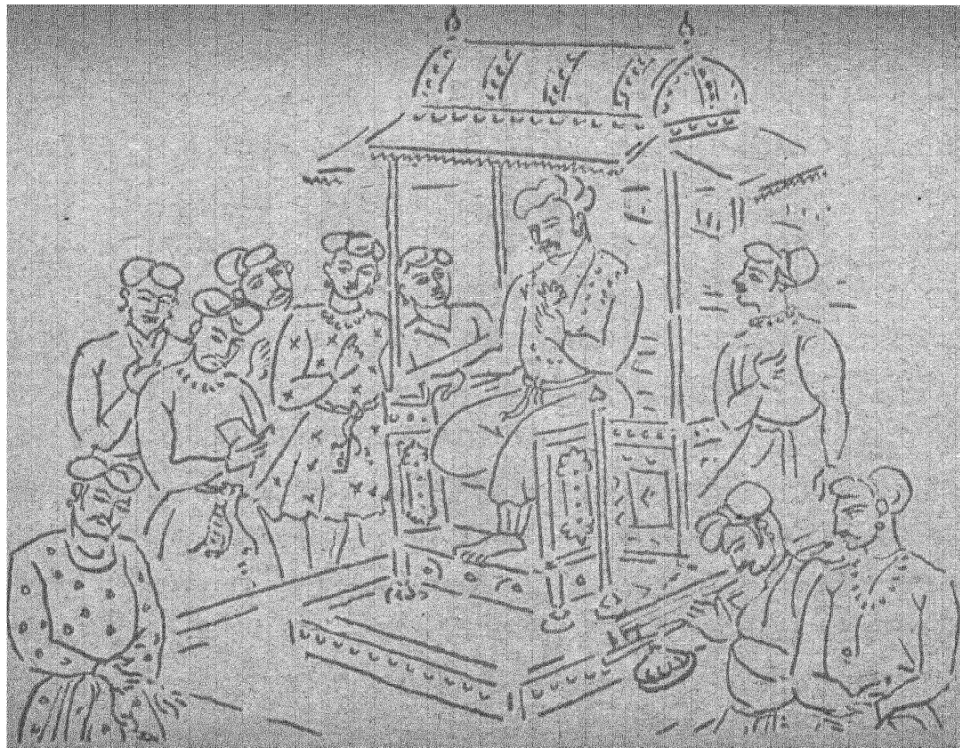
وارالمطالعہ سے گر کر مر گیا۔

# اکبر

(۱۵۵۶ء سے ۱۶۰۵ء تک)

ہمایوں کا بیٹا اکبر بہت ہی کم سنی میں تخت پر بیٹھا۔ لیکن وہ بچپن ہی سے بڑا ہونہار تھا۔ اُس نے اپنی دورانہی اور دانش مندی سے اس راز کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ اس کی سلطنت تب تک مستحکم اور وسیع نہ ہو سکے گی جب تک وہ ملک کی ساری قوموں کو ایک نہ کر دے۔ ورنہ اس کا حال بھی وہی ہوگا جو اس سے پہلے دوسرے سلاطین کا ہوا۔ اس لئے اس نے بہت سے راجپوت را جاؤں سے دوستی قائم کی۔ مندو اور مسلمانوں میں رواداری اور بھائی چارہ پیدا کیا۔ اور دونوں قوموں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے اس نے ایک راجپوت راج کمار کی جو دھابائی سے شادی کی۔ اکبر کا بیٹا سلیم جو اس کے بعد شہنشاہ جہانگیر کہلایا، اسی رانی کے بطن سے تھا۔

اکبر ہر قوم و ملت کے افراد کے ساتھ یکساں انصاف کرتا تھا۔ وہ رعایا کی فلاح و بہبودی کے لئے



راتوں کو بھیس بدل کر گھوما کرتا تھا۔ جہاں کہیں دس پانچ لوگوں کا جگھٹا دیکھتا، وہیں جا کھڑا ہوتا اور اس طرح وہ لوگوں کے دکھ درد سے واقف ہو جاتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے کچھ بددیانت افسر لوگوں سے نگان کے علاوہ کچھ اور روپیہ بھی اینٹھتے ہیں، اس لئے اُس نے اپنے وزیر راجہ ٹوڈرل کو زمین گی پائیش کرانے کا حکم دیا۔ اس نے نگان کی رقوم مقرر کر دیں اور سب نا جائز معمول بند کر دیا۔ اس طرح اُس نے رعایا کو بڑے افسروں کے ظلم اور زیادتی سے بچایا۔ اس نے اپنی فوج سے ملک کو متحد کرنے کا کام لیا۔ اس کے عہد میں ہندوستان ایک مضبوط حکومت بن گیا جس میں لوگ آرام و چین سے تھے۔

اکبر نے اپنے دربار میں بہت سے علماء اور فضلا جمع کئے۔ ان میں اس کے وہ نودیر بھی شامل ہیں جنہیں "نورتن" کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ بڑے قابل اور عقل مند تھے۔

ان میں سے ایک تو موسیقی کا اُستاد تان سین تھا، ایک راجا بیربل، جو اپنے چٹکوں، ہدلہ سنجی اور حاضر جوابی سے اکبر کو مہناتا رہتا تھا۔ اور ملا دو بیازہ تھا جو بیربل کی طرح نطیفے گھڑا کرتا تھا۔ اکبر نے اپنے ایب وزیر ابوالفضل سے اپنے عہد کی تاریخ لکھوائی۔ جو "اکبر نامہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ابوالفضل نے رامائن کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ فارسی میں رامائن کے ترجمے کا ایک نسخہ بے پور کے دارالمطالعہ میں بھی موجود ہے۔ اس کتاب میں ان مصوروں کے ہاتھ کی بہت سی نادر تصویریں ہیں، جنہیں

بادشاہ تصویر کشی کے لئے اپنے دربار میں رکھنا تھا۔  
 اکبر ایک خدا رسیدہ بزرگ سلیم چشتی کا بڑا معتقد تھا۔ اُن کی قربت حاصل کرنے کے لئے اُس نے  
 آگرے سے کچھ فاصلہ پر فتح پور سیکری کا عظیم الشان شہر بسایا اور اس میں خوبصورت عمارتیں تعمیر  
 کرائیں۔

اُس نے اپنے دربار میں مشہور و معروف مصوّر اور دست کار بلوائے۔ اکبر استاد منصور اور دوسرے  
 اعلیٰ پایے کے ہندو مصوروں کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ ان مصوّروں نے فن تصویر سازی کو جو باہر کے ساتھ  
 ایران سے ہندوستان آیا تھا، ہندوستانی رنگ میں رنگ دیا۔ اکبر کے زمانے کے مصوروں نے ایرانی  
 طرز تصویر کشی، اور ایرانی رنگوں سے تصویریں بنا کر انہیں ہندوستانی جذبات اور خیالات کو سمودیا۔  
 اکبر جس زمانے میں ہندوستان میں حکومت کر رہا تھا، بھیک اُسی زمانے میں ملکہ الزبتھ انگلستان  
 میں فرماں روائی کر رہی تھی۔ الزبتھ نے جب اکبر کی سلطنت کی شان و شوکت اور جاہ و حشم کے متعلق سنا  
 تو اس نے اکبر کو ایک مودبانہ خط لکھا اور اس میں شہنشاہ سے سفارش کی کہ کچھ انگریز تاجروں کو، جو  
 ہندوستان میں تجارت کے خواہشمند ہیں، ہندوستان میں تجارت کی اجازت دی جائے۔ اس کے علاوہ  
 یورپ کے اور بھی بہت سے آدمی اکبر سے آکر ملے۔

ان لوگوں میں عیسائی پادری بھی تھے۔ وہ یہ سن کر یورپ سے آئے تھے کہ اکبر کو صداقت کی تکلیف  
ہے اور وہ صداقت پسند ہے۔ انہوں نے لکھا ہے :-

” وہ رات کو بمشکل تین گھنٹے سونا ہوگا۔ اس کی یادداشت غضب کی ہے۔ اس نے اپنے تمام  
ہاتھیوں، گھوڑوں، ہرنوں اور کبوتروں تک کے نام رکھ چھوڑے ہیں۔ یہ بات بڑی تعجب خیز ہے کیونکہ اس  
کے پاس اس طرح کے ہزاروں جانور اور پرندے ہیں۔“

یہ پادری آئے اور انہوں نے اکبر کو عیسائی مذہب قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہیں امید تھی کہ اکبر  
عیسائی مذہب اختیار کر لے گا۔ اکبر نے بہت سے ہندو پنڈتوں اور مسلمان مولویوں سے کہا کہ وہ ان عیسائی  
پادریوں سے بحث کریں۔ اس نے ان سب کی باتوں کو بڑے غور و فکر سے سنا۔ اس نے ان سچائیوں  
پر بڑا دھیان دیا جو ہندو و ہرم، اسلام اور عیسائی مذہب میں تھیں۔ آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ  
مذہبوں کے راستے جدا جدا ہیں لیکن آخر میں سب ایک ہی ایلیٹور یا خدا تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں  
وہ چاہتا تھا کہ لوگ مذہب کے نام پر قتل و غارتگری نہ کریں۔ اس لئے اس نے ایک نیا مذہب ایجاد  
کیا اور اس کا نام ”دین الہی“ رکھا۔ اس مذہب میں اس نے تمام مذاہب کی خوبیوں کو جمع کر دیا۔ لیکن  
مذہب پرست تو صرف اپنے ہی مذہب کو سچا سمجھتے ہیں اس لئے ”دین الہی“ کو فروغ نہ پاسکا۔

اکبر اپنے بعد ایک بڑی وسیع و عریض سلطنت چھوڑ گیا۔ اس سلطنت کی حدود شمال میں کوہ ہندو کش سے لے کر جنوب میں وکن تک، اور مغرب میں سندھ سے لے کر مشرق میں بنگال تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس وسیع سلطنت میں حکومت ایک ہی مرکز سے کی جاتی تھی۔

## جہانگیر

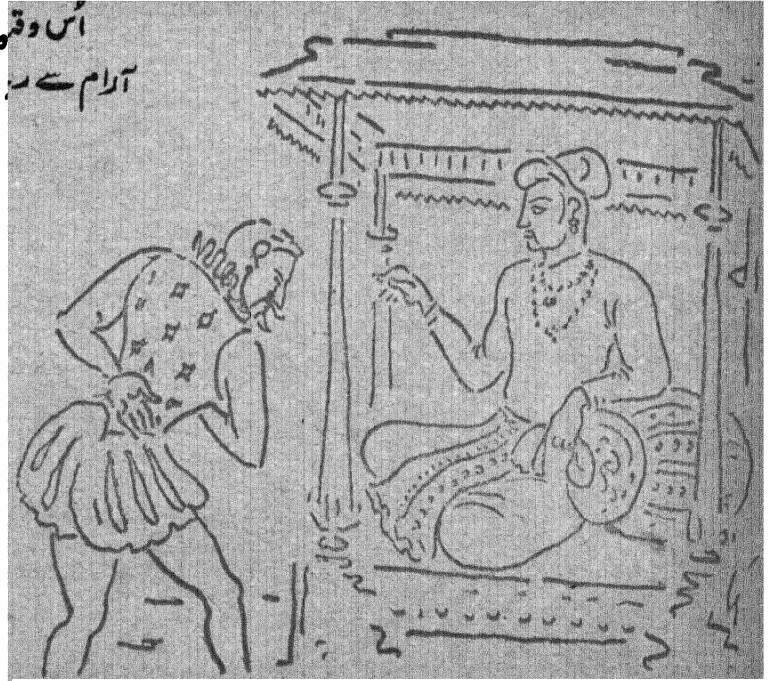
(۱۶۰۵ء سے ۱۶۲۷ء تک)

اکبر نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے سلیم کو ایسی تعلیم و تربیت دلوائی جس سے وہ ایک تیک اور مضبوط مزاج بادشاہ بن سکے۔

سلیم جب شہنشاہ بنا تو جہانگیر کا لقب اختیار کیا۔ اس نے سب کے ساتھ یکساں انصاف اور برتاؤ کیا۔ اس نے اپنے محل میں ایک گھنٹی لگوائی۔ اس گھنٹی میں ایک سونے کی زنجیر بندھی ہوئی تھی۔ یہ زنجیر قلعے کے باہر تک جاتی تھی۔ جب کوئی فریادی فریاد لے آتا تو وہ اس زنجیر کو کھینچتا، زنجیر کے کھینچنے سے محل میں لگی ہوئی گھنٹی بجنے لگتی تھی۔ بادشاہ باہر محل آتا، اور فریادی کی فریاد سنتا اور انصاف کیا کرتا تھا۔

اُس وقت لوگ بڑے امن و امان اور  
 آرام سے رہتے تھے۔ اناج ملک میں بافراط  
 پیدا ہوتا تھا۔ کچھ سال تک  
 لوگ اسی طرح آرام و چین  
 سے رہے۔

اُس زمانے میں یورپیا  
 ہندوستان کی خوشحالی اور  
 مال و دولت کا شہرہ تھا۔  
 انگلستان کے بادشاہ جیمس  
 اول نے ۱۶۱۵ء میں سر  
 طامس رو کو اپنا سفیر  
 خاص بنا کر جہانگیر کے  
 دربار میں بھیجا۔ سر



طامس رونے بادشاہ سے درخواست کی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تاجروں کو ہندوستان میں تجارت کرنے کی آسانیاں فراہم کی جائیں۔

خیال کیا جاتا تھا کہ جہانگیر برہمنوں کے عیسائی پادریوں سے بہت خوش ہے اور انہیں کی سنتا ہے، اسلئے انگریز پرتگالیوں سے حسد کرنے لگے۔ سر طامس رو کے لئے جہانگیر کے دربار تک رسائی آسان نہ تھی کیونکہ انگریز تاجر جہاں نجات کرتے تھے وہاں ان کا سلوک ہندوستانیوں کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ اس لئے اس نے بادشاہ کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ولایتی ٹوپیوں اور کھلونوں کے کئی صندوق بطور تحفہ پیش کئے۔ شہنشاہ کے وزراء نے ان چیزوں کو بہت پسند کیا۔ ان کی بیگمات انگریزی ٹوپیاں اپنے سروں پر رکھ کر ادھر ادھر گھومنے لگیں۔ اور دیکھنے والے خوب ہنسے۔ آخر کار شہنشاہ نے سر طامس رو کو ایک دن دربار میں بلایا اور اس کے ساتھ بڑا اچھا برتاؤ کیا۔

جہانگیر کے عدل و انصاف میں تو کوئی شبہ نہیں۔ لیکن وہ بہت اچھا منتظم نہ تھا۔ کام سوچ سمجھ کر نہ کرتا تھا۔ زیادہ وقت عیش و آرام میں گزار دیتا تھا۔ شکار کا بڑا شوقین تھا جس میں وہ بڑا وقت برباد کیا کرتا تھا۔ جب وہ عنفوان شباب میں تھا تو اسے اپنے باپ کے محل میں ایک درباری کی لڑکی نظر آئی، جسے دیکھ کر وہ فریفت ہو گیا۔ وہ لڑکی باغ میں سیر کر رہی تھی۔ جب سلیم اس کے پاس سے گذرا تو اس نے اس سے

کہا کہ تھوڑی دیر کے لئے ہمارے دو کبوتر پکڑے رہو۔ لڑکی کے ہاتھ سے ایک کبوتر اڑ گیا۔ جب سلیم واپس آیا تو لڑکی سے پوچھا کہ کبوتر کیسے اڑ گیا؟ لڑکی نے نہایت سادگی سے دوسرا کبوتر بھی اڑا دیا اور کہا "ایسے اڑ گیا" سلیم کو پہلے تو بڑا غصہ آیا لیکن جب اسکی نظریں اس کی بھولی بھالی صورت پر پڑیں تو وہ اس پر عاشق ہو گیا۔ اور مسکرانے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس لڑکی کی شادی کر دی گئی اور وہ اپنے حنا دند شیرافکن کے ساتھ بنگال چلی گئی۔ شیرافکن بنگال کا صوبیدار تھا۔ وہ بڑا بہادر اور دلیر تھا۔ ایک مرتبہ اس نے تن تنہا ایک شیر کا مقابلہ کیا اور اُسے مار ڈالا تھا۔

جب سلیم شہنشاہ ہو گیا تو اُس نے شیرافکن کو مراد دیا اور اس کی بیوہ عورت کو اپنے محل میں بلوایا۔ اُسے اُسے نور جہاں کا خطاب دیا۔ جس کے معنی ہیں "دنیا کی روشنی"۔ نور جہاں دو سال تک جہانگیر سے ناراض رہی اور اُس سے نہ بولی، آخر کار اُس نے جہانگیر کو معاف کر دیا اور اس کی بیگم ہو گئی۔ اس کے بعد نور جہاں سلطنت کرنے لگی اور جہانگیر شکار کھیلنے، شراب پینے اور شہر و شاعری کرنے میں لگ گیا۔ اس نے اپنے دربار میں شاعروں، مصوروں اور موسیقاروں کو جمع کیا۔ اور ان کی مدد سے خود یہ فن سیکھنے لگا۔ اس طرح کچھ عرصہ کے لئے دربار میں شاعروں اور موسیقاروں کا طوطی بولنے لگا۔ چونکہ جہانگیر ایک عمدہ منتظم نہ تھا، اس لئے اس کے سردار علم بغاوت بلند کرنے لگے۔ درباری امراء

عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ کسانوں کی حالت روز بروز گرنے لگی۔  
 یوں تو نور جہان ایک لائق لکھ تھی۔ لیکن وہ سلطنت کے صوبوں کے حاکموں کی مخالفت ختم نہ کر سکی۔  
 وہ نہایت بہادر عورت تھی۔ ایک مرتبہ جب وزیر مہابت خان نے بغاوت کی تو وہ بذات خود اس کے مقابلے  
 کے لئے فوج لے کر میدان جنگ میں گئی۔

جہانگیر کے بیٹے بھی آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ ان میں سے ہر لڑکا تخت کا دعویٰ دار تھا۔ ان بطنوں  
 سے جہانگیر کو بڑا صدمہ پہنچا۔ وہ تھوڑے ہی عرصے بعد مر گیا۔ اس کو لاہور کے پاس شاہدرہ میں دفن کیا گیا۔  
 اس کے مرتے ہی نور جہاں کی طاقت ختم ہو گئی۔ وہ اکیلی رہنے لگی، کوئی اس کی خبر گیری کرنے والا ہی  
 نہ تھا۔ جب وہ ضعیف ہو کر مر گئی تو اسے جہانگیر کے مقبرے سے کچھ فاصلے پر دفن کر دیا گیا اور ایک مقبرہ  
 بنا دیا گیا، یہ مقبرہ آج بھی کھنڈروں کی صورت میں موجود ہے۔ شاید اسے معلوم ہو گیا تھا کہ مرنے کے  
 بعد اس کی حالت کبیا ہوگی اس لئے اس نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کی قبر پر یہ شعر کنہہ کیا جائے۔

”بر مزارِ ما غریباں نے چراغے نے گئے

نے پر پہرہ وا ز سوز و نے صدائے بلبلیے“

اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ ہم غریبوں کی قبر پر نہ کوئی چراغ ہو گا نہ پہول، نہ پر وا نہ اپنے پر جلائیگا

نہ بلبل کی آواز سنائی دے گی۔

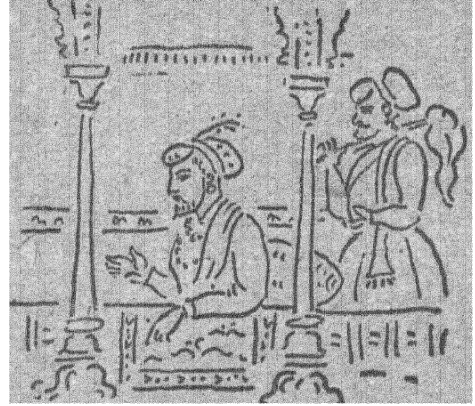
## شاہ جہان

(۱۶۲۶ء سے ۱۶۵۸ء تک)

جب جہانگیر کا بیٹا شاہ جہان تخت نشین ہوا تو سلطنت کی حالت بڑی منتشر اور ابتر تھی۔ صوبوں کے حاکموں کی بغاوت اور تخت حاصل کرنے کے لئے جو لڑائیاں ہوئیں ان کی وجہ سے سرکاری افسر بے ایمان اور نکمے ہو گئے۔ کسانوں کے پاس زندگی گزارنے کے لئے کافی اناج نہ تھا۔ لیکن شاہ جہاں اور دربار کا خوب داد و عیش و عشرت دے رہے تھے۔ صوبوں کے حاکم اب بھی شہنشاہ کے احکام کی پروا نہ کرتے تھے۔ ساحلی علاقوں میں یورپی قوموں نے بھی گڑ بڑ مچا رکھی تھی۔ پرتگالی، ڈچ، فرانسیسی اور انگریز آپس میں حسد کرتے تھے اور ہر قوم کی یہ کوشش تھی کہ سب کو نکال کر ملک کی تجارت صرف اسی کے قبضہ میں آجائے۔ یہ لوگ شہنشاہ کے حکم کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر شاہ جہاں کو فوج پر بڑی کثیر رقم خرچ کرنی پڑی جس سے خزانہ خالی ہو گیا۔

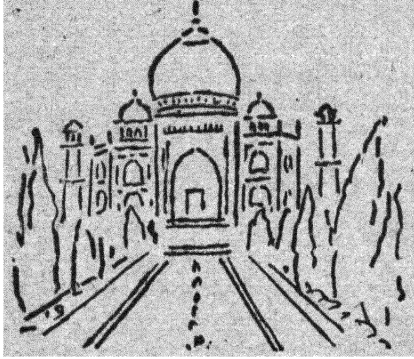
ملک میں بے چینی بڑھ گئی۔

شاہ جہاں کے عزائم بہت بلند تھے۔ اپنے دربار کی شان و شوکت دو بار لاکھ لاکھ لاکھ کے لئے وہ خوبصورت اور نفیس عمارتیں تعمیر کرانا چاہتا تھا۔ اس نے دہلی کا لال قلعہ بنوانے کے لئے ملک کے بہترین صنایعوں کو کام پر لگایا۔ اس قلعے میں اس نے دو بڑی اہم عمارتیں، دیوانِ خاص اور دیوانِ عام بنوائیں۔ دیوانِ خاص صرف امراء کے لئے تھا، اور دیوانِ عام میں سب لوگ آ جا سکتے تھے۔ اپنے لئے اس نے جواہرات سے مرصع ایک بیش قیمت تخت بنوایا۔



جس کا نام "تختِ طاؤس" رکھا۔

قلعے کے سامنے اس نے ایک عمدہ مسجد بنوائی جس کے گنبد پیاز نما ہیں۔ اس کا نام جامع مسجد رکھا گیا۔



جب اس کی چھینی سگیم، ممتاز محل کا انتقال ہوا تو  
 اُس نے آگرہ میں سنگ مرمر کا ایک خوبصورت روضہ  
 اس کی قبر پر تعمیر کرایا۔ جس کا نام تاج محل رکھا گیا۔ یہ  
 مقبرہ دنیا کی مشہور عمارتوں میں سے ایک ہے۔ تمام  
 مقبرہ سفید پتھر کا بنا ہوا ہے۔ دوپہر کے وقت اور چاندنی  
 راتوں میں اس کا حسن و وبالا ہو جاتا ہے۔

شاہجہان صرف اس وجہ سے مشہور ہے کہ اس نے  
 خوبصورت عمارتیں بنوائیں ورنہ تو وہ اپنے سرداروں  
 کی سرکوبی کر سکا اور نہ رعایا کو خوش حال بنا سکا۔

اُس نے ایک طویل عمر پائی۔ اس کی زندگی کے آخری سالوں میں اس کے بیٹے آپس میں سلطنت کی  
 گدی کے لئے لڑنے لگے۔ اور جس طرح شاہ جہاں نے اپنے باپ جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تھی،  
 اسی طرح اس کے لڑکوں نے اس کے خلاف بغاوت کی۔

# اورنگ زیب

(۱۶۵۸ء سے ۱۷۰۷ء تک)

شاہ جہان کے بیٹوں کے ان لڑائی جھگڑوں میں اس کے تیسرے بیٹے اورنگ زیب کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے اپنے دو بھائیوں کو مرادآلا اور نیرا بھائی بھاگ گیا۔ اس نے اپنے باپ کو قید کر لیا تھا۔

اورنگ زیب نے اپنی زندگی بڑی سادگی سے گزاری۔ وہ بڑا محنتی اور جفاکش تھا۔ لیکن وہ کٹر مسلمان تھا اور ہمیشہ من مانی سے کام لیتا تھا۔ جو بات ایک مرتبہ بھٹان لیتا اسے پورا ہی کر کے چھوڑتا تھا۔ اورنگ زیب نے سوچا کہ وہ فوج کے بل بوتے پر سارے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کر سکتا ہے۔ اس لئے وہ اپنا لشکر لے کر ان صوبوں میں گیا جہاں کے حاکموں نے بغاوت کر رکھی تھی۔ اس لئے اسے خود فوج لے کر ہندوستان کے ایسے صوبوں میں جانا پڑا اور لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ سلطنت کے استحکام کے لئے یہ کام نہایت ضروری تھا۔ لیکن جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا تو خزانہ تقریباً خالی ہو چکا تھا، کیونکہ شاہ جہاں، جہانگیر اور ان کے درباری خوب عیش کر چکے تھے اور بے دریغ

روپیہ خرچ کر چکے تھے۔ صوبوں کے حاکموں کی بغاوت فرود کرنے میں روپیہ اور خرچ ہوا اس خسارہ کو پورا کرنا بہت مشکل تھا کیونکہ درہم و روپیہ لوگ عیش و آرام کے بندے ہو گئے تھے۔ وہ لوگ وہمیہ زیادہ خرچ کرتے تھے اور اخراجات کم نہ کرنا چاہتے تھے سرکاری ملازمین کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے کسانوں پر بے جا ظلم کرنا شروع کر دیا اور کسان نکان کے بوجھ تلے اتنے دب گئے کہ اناراج آسانی سے پیدا نہ کر سکے۔



اس کے علاوہ اورنگ زیب نے مسلمان تھا۔ اس نے روز بروز ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش کی۔

کسان لوگ ایک تو حکومت سے ویسے ہی بد دل تھے، دوسرے اورنگ زیب نے یہ حکم جاری کر دیا کہ جو کسان فوج

میں بھرتی نہ ہوگا اُسے ایک خاص ٹیکس ادا کرنا پڑے گا۔ اس لئے لوگ تنگ آ کر شیواجی اور گرو گووند سنگھ جیسے سرداروں سے جا کر ملنے لگے۔ پہلے ہی سے اورنگ زیب

خلافت بغاوت کر رہے تھے۔ گرو گو بند سنگھ سکھوں کے آخری گرو تھے۔ اورنگ زیب نے ملک کے کچھ حصے فتح کر کے اپنی سلطنت میں ضرور ملائے اور حکومت کو بہت وسیع کر دیا۔ لیکن وہ لوگوں کو اپنا نہ سکا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اُس نے اپنے باپ دادا کے کئے کرائے پر کبھی پانی پھیر دیا۔

## مغل سلطنت کا زوال

جگہ بہ جگہ بغاوتیں ہو رہی تھیں۔ مرہٹوں کے سردار شیواجی نے مغلیہ سلطنت پر بڑی کاری ضرب لگائی۔

دکن میں بیجا پور نام کی ایک ریاست تھی۔ شیواجی بیجا پور کے ایک معمولی درباری کے بیٹے تھے۔ وہ بیجا پور سے بھاگ نکلے اور باہر جا کر ہمارا شتر، گجرات اور راجپوتانے کے کسانوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کیا۔ اور انہوں نے ایک زبردست گوریلا (چھاپہ مار) فوج تیار کر لی۔ وہ پہاڑی قلعوں میں چھپ کر رہتے تھے اور گاہے بگاہے مغلیہ سلطنت کے علاقوں پر چھاپے مارتے تھے۔

شاہجہاں کے بعد ملک میں جو بدامنی اور گڑبڑ ہوئی، اس سے شیواجی نے فائدہ اٹھایا اور ہندوستان کے مغربی حصے میں ایک طاقت حاصل کر لی۔

شیواجی کی سرکوبی کے لئے اورنگ زیب نے کئی مرتبہ فوج بھیجی لیکن مرہٹے گھوڑ سوار اتنے چست اور پھرتیلے تھے کہ مغلیہ فوج کے قابو میں نہ آئے۔

شیواجی ہندوستان کے بہادر لوگوں میں سے ایک تھے۔ وہ بڑے ہوشیار اور چالاک تھے۔ ایک مرتبہ بیجا پور کے سلطان نے اپنے ایک سردار افضل خاں کو شیواجی کو ٹھکانے لگانے کے لئے روانہ کیا۔ شیواجی اس وقت پرتاپ گڑھ کے قلعے میں تھے۔ افضل خاں کے کہنے پر وہ قلعہ سے نکل کر باہر آئے۔ ظاہر طور پر دونوں دوستوں کی طرح مل رہے تھے لیکن چور دونوں کے دلوں میں بھتا۔ افضل خاں کا قد بہت لمبا تھا اور شیواجی کا چھوٹا۔ افضل خاں نے سوچا شیواجی چھوٹا سا آدمی ہے، جب مجھ سے آکر گلے ملے گا تو میں اُسے بھینچ کر ہی ختم کر دوں گا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی آستین میں ایک خنجر چھپا رکھا تھا۔ ادھر شیواجی نے بھی اپنے ہاتھ میں شیر پنجہ پہن رکھا تھا۔ یہ شیر پنجہ دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا انگوٹھیاں پہن رکھی ہیں۔ شیواجی

افضل خاں سے آکر لے۔ جسے ہی افضل خاں  
 نے اچھیں بھیسج کر مار ڈالنا چاہتا، شیواجی نے  
 اپنا شیر پنجہ اس کی کمر میں بھونک دیا۔

شیواجی اور ان کے ساتھیوں نے  
 چھاپے مار مار کر اورنگ زیب کی سلطنت  
 کو تقریباً ختم کر دیا تھا۔ لیکن شیواجی مر گئے  
 اور ان کے سردار نااہل ثابت ہوئے۔ ان میں  
 سے ہر سردار اپنی سلطنت علیحدہ قائم کرنا چاہتا  
 تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے  
 ساتھ وہ خود بھی آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔

جب اورنگ زیب مرا تو ملک کی حالت  
 بالکل ابتر تھی۔ چاروں طرف بغاوتیں ہو رہی تھیں  
 ملک کے لوگ طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا تھے۔



لوگ خیال کرتے تھے کہ مغلیہ سلطنت ہمیشہ قائم رہے گی۔ لیکن وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ ہمیں غورو فکر کرنا چاہئے کہ اتنی عظیم الشان سلطنت کیسے ختم ہو گئی؟ صرف دو سو سال پہلے بابر کے سواروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے سارے ہندوستان میں ہلکے مچ گیا تھا۔ کسان مغل سپاہیوں کو دیکھ کر بھاگ نکلنے لگے۔

یہ عظیم سلطنت جو دنیا کی بڑی سلطنتوں میں سے ایک تھی، سمرقند کے ایک چھوٹے سے امیر خاندان نے قائم کی تھی۔

تو پھر ایسی زبردست سلطنت کاغیرازہ کیسے بکھر گیا؟

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آخر میں بادشاہ کے درباری، امرار اور دوسرے افسر حربی ہو گئے تھے۔ انہیں کسانوں سے جو نکان حاصل ہوتا تھا، اُسے شکار، سیر و تفریح، پُر تکلف دعوتوں، بھر پیلے لباسوں اور قیمتی زیورات بنوانے میں اڑا دیتے تھے۔ بادشاہوں نے نہریں کھدوانے، سڑکیں بنوانے، یا لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ کسان اتنے بیزار ہو چکے تھے کہ کوئی بھی امیر یا چوٹا موٹا راجا انہیں بادشاہ وقت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر سکتا تھا۔ اور الگ ریاست قائم کر سکتا تھا۔

اس طرح یہ سلطنت رفتہ رفتہ زوال پذیر ہو گئی۔

## یورپی قومیں

اورنگ زیب کی موت کے ایک سو پچاس سال بعد تک ملک میں فتنہ و فساد، لڑائی جھگڑے، قحط اور افراتفری مچی رہی۔ راجا اور بادشاہ آپس میں لڑ رہے تھے۔ جس طرح پہلے ہندوستان کی اندونی بھوٹ اور نفاق سے فائدہ اٹھا کر بیرونی اقوام نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا، اسی طرح ۱۷۳۹ء میں ہندوستان کی گڑ بڑ سے فائدہ اٹھا کر ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ اس نے دہلی کو خوب تاراج کیا، دولت خوب لوٹی اور اپنے ساتھ شاہ جہاں کا تخت طاؤس بھی لے گیا۔

لیکن اس کے بعد بھی ہندوستانی راجا اور نواب آپس میں آمادہ پیکار رہے۔ اور فرنگی قومیں، پرتگالی، فرانسسی، ڈچ (یعنی ہالینڈ کے باشندے) اور انگریز، ان راجاؤں اور نوابوں کو ورغلائی رہیں اور انہیں مدد دے دے کر آپس میں لڑاتی رہیں۔ ان ولایتی قوموں کا مقصد صرف یہ تھا کہ ساری طاقت ان کے ہاتھ میں آجائے۔ اسی لئے وہ ایک راجا یا نواب کو دوسرے کے خلاف بھڑکا کر آپس میں لڑاتی رہیں۔

اسکو ڈی گاما جو ایک پرتگالی بحری جہاز کا کپتان تھا، پہلا فرنگی سیاح تھا جس نے پرتگال سے



ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کیا۔ وہ افریقہ کی  
 راس امید کا چکر کاٹ کر ۱۷۹۸ء میں ہندوستان کے  
 کالی کٹ بندرگاہ پر آ ترا۔ لیکن پرتگالی لوگ دوسری  
 یورپی قوموں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ انہوں نے گوا اور دو  
 ایک چھوٹے چھوٹے مقامات پر ہی اکتفا کیا اور میدان  
 چھوڑ بھاگے۔ ان مقامات پر آج بھی وہ لوگ قابض ہیں۔  
 ہندوستان میں انگریزوں نے سب سے زیادہ  
 مضبوطی سے قدم جمائے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی، جسے لوگ  
 جان کمپنی کہا کرتے تھے، بڑی مالدار اور مضبوط کمپنی ہوئی  
 تھی۔ اس کا سب سے بڑا رہنما رابرٹ کلائیو تھا۔ کلائیو شروع  
 میں تو جان کمپنی میں ایک معمولی کلرک تھا، لیکن بعد میں  
 اس نے یہ پیشہ چھوڑ دیا اور ایک جنگجو سپاہی بن گیا۔  
 ایک مرتبہ کلائیو نے ارکاٹ میں فرانسیسیوں پر حملہ کرنے

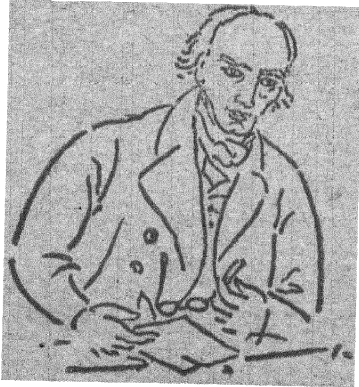
کا ارادہ کیا اور ۵۳ دن بعد انھیں پسپا کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اڑکھٹ پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد تو انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان لڑائیوں کا ایک تاننا بندھ گیا جو سات سال تک چلا۔ آخر کار فرانسیسیوں کو، جو ڈوہلے کی کمان میں لڑ رہے تھے، شکست ہوئی اور ان کا زور ختم ہو گیا۔ اس کے بعد جان کمپنی نے ہندوستانی راجاؤں اور نوابوں کو ختم کرنا شروع کیا۔

ان دنوں بنگال کا مغل گورنر سراج الدولہ تھا۔ یہ مغلوں کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ جان کمپنی کے ملازم ہندوستانیوں کو بہت پریشان کرنے لگے تھے۔ سراج الدولہ کو بہت برا لگا۔ اس لئے اُسے انگریزوں کی بندرگاہ کلکتہ پر حملہ کر دیا۔ اس مقام پر سراج الدولہ نے کچھ انگریزوں کو کمپنی کے قید خانہ میں قید کر دیا۔ قید خانہ بہت تنگ تھا اس لئے کچھ قیدی عیسٰی دم کی وجہ سے مر گئے۔ انگریزوں اس واقعہ کو بہت بڑھا چڑھا کر مشہور کیا۔ اور انگریز بچوں کی کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر بڑے دردناک الفاظ میں کیا۔ اس قید خانہ کا نام ”کلکتہ کی کمال کوٹھڑی“ رکھا اور کلکتہ میں اس کی ایک یادگار بھی قائم کی۔ کچھ دن ہوئے کہ نینتا جی سبھاش نے اس یادگار کو ہٹوانے کی کوشش کی تھی۔ ہندوستان میں انگریزوں کی طاقت کو بڑھانے میں یہ دو آدمی بہت پیش پیش تھے۔ ایک تو کلایو اور دوسرے وارن ہسٹنگز۔

کلکتہ کے حملے کے نفوڑے دنوں بعد نکلیا یونے ایک بڑی فوج مرتب کی اور پلاسی کی جنگ میں سراج الدولہ کو شکست دی۔ اس موقع پر ہسٹنگز نے بڑی چال بازی سے کام کیا۔ اس نے سراج الدولہ کے ایک سپہ سالار میر جعفر کو اپنی طرف بلا لیا۔ اور اس غداری کے صلے میں میر جعفر کو انگریزوں نے بنگال کا گورنر بنا دیا۔

کلا بوجہ ۳۵ سال کی عمر میں اپنے عہدے سے دست بردار ہو گیا۔ اس عرصے میں اس نے رشوت خوری کے ذریعہ بڑی دولت جمع کر لی تھی۔ اس کے بعد ہسٹنگز نے اسکی جگہ لے لی۔

ہسٹنگز بڑا عالم تھا۔ لیکن جتنا اسے کتابوں کا شوق تھا اتنا ہی سازشوں کے جال بٹننے کا بھی۔ اس نے ہندوستان سے کمپنی کو خوب روپیہ کموایا۔ اور خود بھی راجا اور نوابوں کو ناجائز طور پر ڈرا دھکا کر خوب رشوتیں لیں۔ انگریز پہلے ہی سے جانتے تھے کہ ہندوستان بڑا مالدار ملک ہے۔ انہوں نے



اے دونوں ہاتھوں سے لوٹا۔ انھیں کبھی اس بات کا خیال تک بھی نہ ہوا کہ اس ملک کے کسان دنیا میں سب سے زیادہ مفلس اور تلاش میں۔

کچھ ایسا نڈار انگریزوں نے جان کمپنی کی اس لوٹ کھسوٹ اور ہسٹنگز کے مظالم کی مذمت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہسٹنگز پر انگلستان کی پارلیمنٹ میں مقدمہ چلا۔ اس کے خلاف عائد کئے گئے جرائم کی تفتیش کی گئی۔ یہ مقدمہ سات سال تک جاری رہا۔

شروع شروع میں انگریز ہندوستان میں ملعل اور چھینٹ لینے آیا کرتے تھے لیکن اب مانچسٹر اور انگلستان کے دوسرے شہروں میں ان چیزوں کے کارخانے قائم کئے گئے۔ اور اس طرح انگریز ہمارے ملک کی روٹی سے اپنے ملک میں کپڑا تیار کر کے ہمارے ہی ملک میں بیچنے لگے۔ اور ہمارے ملک کی صنعت و حرنت تباہ ہو گئی۔

جان کمپنی جلدی جلدی ہندوستان کی متقدر ریاستوں پر قبضہ کرتی گئی۔ اس نے بہت سے ہندوستانیوں کو جاگیریں اور خطاب دے کر اپنی طرفن ملا لیا۔ ہمارے کسان غلام بن گئے اور مشکل اپنا پیٹ پالنے لگے۔ انھیں یاد ہو گا کہ ہمارے کسان قدیم زمانے سے ل جل کر رہتے آئے تھے۔ وہ کاشتکاری کر کے پیٹ پالنے تھے لیکن کسی کے غلام نہ تھے۔ انھیں زمین کی کمی نہ تھی۔

— وہ جتنی زمین چاہتے، مل جاتی تھی۔ لیکن اب وہ سنہری دن دور جا چکے تھے۔  
 ہمارے ملک کے جولاہے دنیا میں سب سے باریک اور نفیس کپڑا بنتے تھے۔ لیکن اب کپڑا انگلستان  
 سے ہندوستان میں آ کر پھینکے گئے۔ اس لئے وہ لوگ تباہ ہو گئے۔ ملک میں جگہ جگہ قحط پڑنے لگے۔  
 سب سے مشہور قحط ۱۷۷۰ء میں پڑا۔ کروڑوں آدمی بھوکوں مر گئے۔  
 ڈھاکہ کی مملکت دنیا بھر میں مشہور تھی۔ اس شہر کی آبادی دس سال کے عرصہ میں ہی ڈیڑھ لاکھ سے گھٹ  
 کر بیس ہزار رہ گئی۔

ہمارے جہاز جو ہزاروں سال سے سمندروں میں آتے جاتے تھے، ان کا اب کہیں نشان بھی نہ رہا۔  
 اور ہمارے سمندر میں انگریزی جہاز چلنے لگے۔  
 ہندوستان کی رگ رگ کا خون چوس لیا گیا۔

اس اثنار میں جان کہینی نے اپنا راجاؤں اور نوابوں کو آپس میں لڑانے کا کام جاری رکھا اور ایک  
 کے بعد دوسرے راجا اور نواب کو ختم کرتی رہی۔ اور اس طرح فرنگیوں نے مرہٹوں کے پیشوا، حیدر علی،  
 ٹیپو سلطان، پنڈاری، پیٹھان اور رنجیت سنگھ کے وارثوں کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا۔

# ۱۷۵۷ء کی جنگ آزادی

انگریزوں نے ہندوستان کے راجاؤں اور نوابوں کو آپس میں خوب لڑایا پھر بھی وہ ہندوستانی جنتا کو آسانی سے نہ دبا سکے۔ ہندوستان کی جنتا ایک مدت سے ان کے جور و ظلم کا شکار تھی، آخر ایک دن ان کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اس جنگ کے رہنما یا نیتا دہلی کے سنہنشاہ بہادر شاہ تھے۔ جو ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ اس بغاوت کا آغاز کہنی کے سپاہیوں سے ہوا۔ ہندو اور مسلمان دونوں مل کر میدان میں اُتر آئے۔ جھانسی کی رانی لکشمی بائی نے اس جنگ میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ اُس نے اپنی فوج کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے متعلق ایک انگریز سرگت روز کا مقلولہ ہے :-

” باغیوں کی فوج میں وہ سب سے بہادر اور قابل سپاہی تھی ؎

ہندوستانی سپاہیوں نے دہلی، لکھنؤ، کانپور، روہیلکھنڈ اور دوسرے مقامات میں انگریزوں کا بڑی جواں مردی سے مقابلہ کیا۔ چند مقامات پر انہوں نے فتح بھی پائی۔ لیکن ہندوستان کے

کچھ را جا انگریزوں سے جاٹے۔  
 علاوہ ازیں جو را جا، نواب عوام  
 کے شریک تھے وہ نسبتاً کم طاقتور  
 تھے۔ ان را جاؤں میں سے کچھ نے  
 تو صرف یہ کیا کہ جو دو چار انگریز  
 ان کے ہاتھ لگے، انہوں نے انہیں  
 مار رکھا۔ چھوٹی موٹی اور کبھی  
 ہوئی طاقتوں کو کیجا کر کے ایک  
 بڑی اور طاقتور فوج مرتب کرنے  
 کی کوشش نہیں کی گئی۔

شہنشاہ بہادر شاہ نے اپنے  
 رزمیہ اور آتشیں گینتوں سے  
 لوگوں کو جوش دھلایا۔ لیکن وہ بھی



بادشاہ برائے نام ہی تھے۔ تخت سلطنت حاصل کرنے کے مقصد کے لیے ہی دونوں بچان کی طاقت زائل ہو گئی تھی۔ اس جنگ سے ایک اچھا نتیجہ برآمد ہوا۔ وہ بیکہ ہندو اور مسلمان مل کر لڑے اور اس طرح آپس میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو گیا۔

آزادی کی اس جنگ میں ہندوستانیوں نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ جگہ جگہ انہوں نے

انگریزی فوجوں کے دانت کھٹے  
 کئے۔ لیکن متذکرہ بالا وجوہات  
 کی بنا پر شکست ہندوستانیوں  
 کی ہوئی۔ بہادر شاہ قید کر لئے  
 گئے اور انگریزوں نے انہیں برما  
 بھیج دیا۔

قید خانے میں بہادر شاہ کو  
 قلم اور دوات تک ہاتھ لگانے  
 کی اجازت نہ دی گئی۔ وہ



شاعر تھے۔ انہوں نے قید خانے کی دیواروں پر ہی کاسٹلے سے اشعار لکھ دیئے۔ وہ تنہا اور اُداس تھے۔  
انہوں نے ایک دفعہ لکھا :-

” نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں ، نہ کسی کے دل کا سرور ہوں

۴ جو کسی کے کام نہ آسکے ، میں وہ ایک مُشت غیب رہوں “

اب دہلی تباہ و برباد ہو گئی۔ ورنہ اسی دہلی میں خود بہادر شاہ کے الفاظ میں :-  
” دلی ایک جنتِ ارضی تھی جہاں ہمہ وقت نشاط و طرب کے میلے لگا کرتے تھے “  
” لیکن امن و امان کی اُس دُہن کو ظالموں نے بیوہ کر دیا “

” اب خوف و ہراس اور تباہی و بربادی کے سوا کچھ اور باقی نہیں رہا “

جنگ کے بعد انگریزوں نے بے پناہ مظالم ڈھائے۔ انہوں نے صرف الہ آباد شہر میں ہی  
ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) نفوس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جن میں عورتیں ، بچے اور بوڑھے بھی  
شامل تھے۔ لفٹیننٹ رابرٹ نے ، جو بعد میں فیلڈ مارشل رابرٹ کہلایا ، اپنی ماں کو ایک خط میں لکھا  
کہ اُس نے بہت سے آدمیوں کو توپ کے دھانے پر رکھ کر ہی اڑا دیا۔ ایک اور بڑے انگریز  
نے فخریہ طور پر کہا کہ اس نے نہ جانے کتنے افراد کو ” نئے نئے طریقوں “ سے ستا سنا کر مار ڈالا۔

ان نئے طریقوں میں سے کچھ طریقے یہ استعمال کئے کہ بہت سے آدمیوں کی چوٹیاں درختوں میں بندھوا دیں اور تباہ کنک بندھوائے رکھیں جب تک کہ درد و کرب سے ان کا دم نہ ٹھک گیا۔ کچھ آدمیوں کو ہاتھی کی پیٹھ پر اسے نیچے گروایا گیا اور انھیں ہاتھیوں کے بھاری پیروں تلے بے دردی سے کچلوا دیا گیا۔

## ملکہ وکٹوریہ

اس ظلم و تشدد اور قتل و غارتگری کے بعد انگریزوں نے امن قائم کرنے کی کوشش کی۔ انگلستان کی پارلیمنٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے ہندوستان کی حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ ملکہ وکٹوریہ نے ایک عظیم الشان تقریر کی اور ہندوستانیوں کی حالت بہتر کرنے کا وعدہ کیا۔ ملکہ نے اعلان کیا کہ ہر وہ راجا اور نواب جو انگریزوں کی اطاعت قبول کرے گا، کسی طرح بھی دست بردار نہیں کیا جائے گا اور اپنی ریاست کا اُسے پورا حق ہوگا۔ اس اعلان سے ہندوؤں کے راجا اور نواب انگریزی حکومت کے وفادار ہو گئے۔ لیکن انگریز افسروں نے وکٹوریہ کے ان

وعدوں کو جھوٹا ثابت کر دیا۔

ان میں کچھ انگریزوں کا برتاؤ تو بے شک بڑا ہمدردانہ تھا۔ لیکن اکثر و بیشتر انگریزوں نے "بڑا صاحب" بننے کی کوشش کی۔ وہ ہندوستانیوں کو "کالا آدمی" کہا کرتے تھے، اور اکثر بات کرنے سے پہلے ٹھوکر مار کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ وہ عام لوگوں سے دور شاندار کوٹھیوں میں جا کرتے تھے۔ اور ہمیں ذلیل کرنے کے لئے اپنے کلبوں اور تفریح گاہوں کے دروازوں پر لکھ دیا کرتے تھے: "ہندوستانیوں اور کتوں کے لئے اندر آنے کی اجازت نہیں!"

ہندوستان میں رہ کر وہ بے شمار روپیہ کماتے اور اپنے ملک انگلینڈ لے جا کر خرچ کیا کرتے تھے۔

اس سے پہلے بھی بیرونی ممالک کے لوگ ہندوستان میں تجارت کی غرض سے آئے تھے لیکن وہ یہاں ہندوستانیوں ہی کی طرح طرز زندگی اختیار کر لیتے تھے۔

مگر انگریز ہمیشہ ہم سے علیحدہ رہے۔

# انگریزی حکومت

انگریز ہندوستان کے طرز معاشرت کو نہ سمجھ سکے اور انہوں نے زمینداروں اور کسانوں کو زمین کا مالک بنانے کا رواج چلایا۔ اس سے پہلے زمین کا مالک کوئی نہ ہوتا تھا، بلکہ صرف زمین کی کاشت کا حق دیا جاتا تھا۔ اس طرح انگریزوں نے انگلینڈ کے جاگیرداروں کی طرح ہندوستان میں بھی جاگیردار پیدا کر دیے۔

سارے کسان مفروض ہو گئے اور انہوں نے اپنی زمینیں فروخت کرنی شروع کر دیں۔ کسانوں کے لئے روزگار کے دروازے بند ہو گئے۔ کیونکہ انگریزوں نے ہندوستان میں بہت کم کارخانے بنوائے۔ انہوں نے انگلستان میں، ہندوستان کو سامان فراہم کرنے کے لئے کارخانے قائم کئے تاکہ وہاں کے لوگوں کو روزگار مل جائے۔ ساتھ ساتھ انہوں نے ہمیں پست اور مفلس بنانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا اس ڈر سے کہ ہمیں ہم پھر ان کے غلامت بغاوت پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ کروڑوں انسان بے کار ہو گئے۔ تقریباً پچاس برس میں بائیس قحط پڑے، یعنی ہر دو سال بعد ایک قحط کی

مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔

حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ اور ہندوستان دنیا میں سب سے زیادہ مفلس اور پست ملک ہو گیا۔ حتیٰ کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کے آخری دنوں میں ہر ہزار بچوں میں ایک سو ساٹھ بچے تو پیدائش کے وقت ہی مر جاتے تھے۔ لاکھوں آدمی قحط، تپ دق، ملیریا اور دوسری مہلک بیماریوں کے شکار ہو گئے۔ ہندوستان کے باشندوں کا اوسط عمر دنیا کے ملکوں میں سب سے کم ہو گیا یعنی صرف ستائیس سال — اور صرف بارہ فیصدی لوگ پڑھے لکھے تھے۔

دراصل ہمیں کبھی یہ نہ بھولنا چاہئے کہ انگریزوں کی ہندوستان میں آمد سے ہماری زندگی میں مختلف قسم کی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ انگریزوں نے ہمارے ملک میں ریلیں اور سڑکیں بنائیں۔ جن کے ذریعہ شہر اور گاؤں آپس میں مل گئے۔ ہمارے انگریز حاکموں نے یہ سب چیزیں اپنے ذاتی مفاد، کچے مال کی نقل و حرکت اور فوجوں اور آفیسروں کی آمد و رفت کے لئے بنوائیں۔ لیکن لوگوں نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا۔ ہندوستان میں صنعتی ترقی بہت معمولی قسم کی ہوئی، لیکن اس کے ذریعہ دنیا کے موجودہ ترقی یافتہ ملکوں سے ہمارا ربط و ضبط بڑھا۔

ہمارے بہت سے مشہور رہنما اور دانشور یورپی اور انگریزی طرز معاشرت کا جائزہ لینے کیلئے

انگلینڈ اور یورپ گئے۔ انہوں نے دیکھا اور سمجھا کہ ہندوستان پر جو لوگ حکمرانی کر رہے ہیں وہ یورپ کے موجودہ مفکروں اور مدبّروں کے مقابلے میں بہت تنگ نظر اور محدود دماغ ہیں۔ ہمارے ملک کے ان لوگوں نے یورپ کے ان مفکروں سے بہت کچھ سیکھا، جمہوریت کا اصل اصول یعنی ”عوام کی حکومت“ عوام کے ذریعہ اور عوام کے ہی لئے ”ہماری قوم کا اتنا ہی منہ منی اصول بن گیا جتنا کہ موجودہ یورپی ممالک کا۔ چونکہ ہم ایک بدیشی راج کے غلام تھے، اس لئے ہمارے رہنماؤں نے جمہوریت کے ہتھیار کو بڑے شد و مد سے استعمال کیا۔

# بیداری

کم و بیش سو سال پہلے ہی ہمارے ملک میں بیداری کھیل چکی تھی۔ ہمارے کچھ رہنما اسکولوں اور کالجوں میں داخل ہوئے اور انہوں نے انگریزی طور طریقوں کو سمجھا۔

انہوں نے محسوس کیا کہ انگریزی زبان ہندوستان میں آزادی اور حریت کے وہ خیالات اور تحریکیں نہیں لائی جن کی خود انگریزوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔ اس لئے انہوں نے احتجاج کئے گو کہ یہ احتجاج بہت معمولی سے تھے۔ ہمارے ملک کے رئیسوں اور سرمایہ داروں کی تجارت مائدہ پر گئی، ان کے لڑکوں کو ملازمتیں نہ ملیں جب کہ انگریزوں کو سب کچھ حاصل تھا۔

مسلمانوں کو زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑا۔ انہیں زیادہ مشکلات اور مصائب پیش آئے۔ کیونکہ وہ، ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد انگریزوں کے سخت دشمن ہو گئے تھے۔ مسلمان زیادہ تر جاہل رکھے گئے۔ ہندوؤں نے اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں پہلے تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ مفلسی

نسبتاً مسلمانوں میں زیادہ رہی۔ مسلمان جو لہے زیادہ تعداد میں بے روزگار ہو گئے۔ کیونکہ انگریزوں نے فقہاً ہندوستان کے بننے اور کاتنے کے کارخانوں کو تباہ کر دیا اور انکلیٹ سے کپڑا اور آمد کرنے لگے۔ مسلمان دست کار اور صنعت کار اِدھر اُدھر روزگار کی تلاش میں پھرنے لگے۔ اس بیکاری نے ان کی روح کھل دی۔ جب ہمارے بزرگوں نے دوبارہ انگریزوں کے خلاف تحریک اٹھائی تو شروع شروع مسلمانوں نے ساتھ نہ دیا، کیونکہ وہ بہت زیادہ مایوس ہو چکے تھے۔ انگریزوں نے انہیں اور بھی روکنے کی کوشش کی اور اپنا ”لٹاؤ اور حکومت کر دو“ والا اصول برتنا۔

# انڈین نیشنل کانگریس

ہندوستان کے باشندوں کے حالات بہتر بنانے کی راگ کیلئے ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس قائم کی گئی۔ شروع میں تو ہمارے رہنماؤں نے اس تحریک کو ملکہ وکٹوریہ کو عرضیاں بھیجنے اور وائسرائے کو اپیلین کرنے تک ہی محدود رکھا، لیکن ”بڑے صاحبوں“ کو یہ بات بھی برداشت نہ ہو سکی۔ انہوں نے کہا کہ کانگریس والے لوگوں کو مشغول کر کے ملک میں پھر بدامنی اور گڑ بڑ پیدا کرنی چاہتے ہیں۔ لیکن جلد ہی عام لوگ انگریزوں سے بے زار نظر آنے لگے۔ انہوں نے انگریزوں کے خلاف آواز بلند کی اور یہ آواز روز بروز زور وار ہوتی گئی۔ ہمارے دور اندیش اور عقل مند لیڈر انگریزوں کے سامنے ایسے سوالات پیش کرنے لگے جن کے جواب سے وہ قاصر تھے۔

ان بڑے رہنماؤں میں ایک داوا بھائی نوروجی بھی تھے جنہیں لوگ ہندوستان کا ”عظیم بزرگ“ کہتے تھے۔ وہ انگلینڈ کی پارلیا منٹ کے ممبر منتخب کئے گئے۔ وہاں انہوں نے ہندوستانیوں کے حق میں

بڑی زور دار تقریریں کہیں۔ ہندوستان کے لئے سوراہج کا مطالبہ سب سے پہلے انہوں نے ہی رکھا تھا۔  
 دوسرے بڑے لیڈروں میں لوکمانیہ تلک اور گوکھلے تھے۔ تلک اپنے ملک پر جان قربان کرتے  
 تھے۔ وہ ایک بڑے عالم اور عمدہ مقرر تھے۔ گوکھلے عدم تشدد کی پالیسی کے ماننے والے تھے۔ ان کے علاوہ  
 اور کئی بہت سے لیڈر تھے جو اپنے ملک سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔  
 انڈین نیشنل کانگریس کے جلسے ملک میں جگہ جگہ ہونے لگے اور اس کی طاقت روز بروز بڑھنے لگی۔  
 شروع شروع میں تو انگریزوں نے کانگریس کی کوئی مخالفت نہ کی۔ ان کا خیال تھا کہ کانگریس کی مدد  
 سے وہ ہندوستان میں زیادہ آسانی سے حکومت کر سکتے ہیں۔ لیکن جب لوگ زیادہ تعداد میں کانگریس  
 میں شریک ہونے لگے اور کانگریس ایک مستحکم جماعت کی شکل اختیار کر گئی اور اس نے آزادی کا مطالبہ  
 پیش کیا تو انگریزوں نے اس کی مخالفت پر کمر باندھ لی اور اس کو بچھنے کے لئے سخت کوششیں کرنے لگے۔

# لارڈ مینٹو اور مسٹر مورے

۱۹۰۶ء میں انگریزوں کو احساس ہوا کہ ہمیں ہندوستانیوں کو کچھ نہ کچھ تو دینا ہی پڑے گا۔ اس لئے انہوں نے حکومت کے طور و طریقوں میں کچھ اصلاحیں کیں۔ جو مینٹو مورے اصلاحات کہلاتی ہیں۔ لارڈ مینٹو ان دنوں ہندوستان کے وائسرائے تھے اور مسٹر مورے انگلستان کی پارلیمنٹ میں ہندوستان کے سکریٹری تھے۔ ان اصلاحات کی رو سے ہندوستانیوں کو کچھ حقوق ضرور ملے لیکن اصل طاقت انگریزوں کے ہاتھوں میں رہی۔

مسٹر مورے اعتدال پسند لیڈروں کو اپنی طرف بلانا چاہتے تھے، اعتدال پسند لیڈروں کا گروہ تھا جو ہندوستان میں انگریزوں کے وجود پر تو راضی تھے لیکن ساتھ ساتھ ہندوستانیوں کو کچھ حقوق بھی دلوانا چاہتے تھے۔ مورے ان لوگوں سے خوش تھے لیکن انتہا پسندوں سے سخت ناراض تھے کیونکہ انتہا پسند لیڈر کسی طرح بھی انگریزوں کا وجود ہندوستان میں نہ دیکھ سکتے

تھے۔ سنوٹھی پالیسی یہ تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد قائم نہ ہونے پائے اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔  
 اس طرح " لٹاؤ اور حکومت کرو " کا کھیل شروع ہوا۔ انگریز اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے جھگڑوں سے ان کی طاقت زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔

## مسلمانوں میں بیداری

ان حالات کے تحت مسلم لیگ کا قیام ہوا۔ بد قسمتی سے کچھ ہندوؤں کا مسلمانوں کے ساتھ رویہ اچھا نہ تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ کھانا پینا بھی پاپ سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کو یہ حرکت بہت بری لگتی تھی۔ علاوہ ازیں مسلمان مادی ترقی، مال و دولت اور علم کے لحاظ سے ہندوؤں سے پیچھے تھے۔ اردو کے بلند پایہ شاعر حالی نے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لئے اچھی نظمیں لکھیں۔ ان کی نظموں نے مسلمانوں کو اپنی پستی کا احساس دلایا۔  
 دوسری طرف مسلمانوں کے ایک عظیم رہنما، سر سید احمد خاں نے علی گڑھ میں ایک مسلم کالج

کی بنیاد ڈالی اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کا مشورہ دیا۔  
 انگریزوں نے فوراً موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ وہ تو چاہتے ہی تھے کہ کسی نہ کسی طرح ہندوستانی  
 ان کے غلام رہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش کی۔ جملک  
 میں عام مسلمان اور ہندو پھر بھی میل جول اور رواداری سے رہے، البتہ مسلمانوں میں وہ لوگ  
 جو سرکاری ملازمتیں حاصل کرنے کے خواہش مند تھے انہوں نے انگریزوں کی باتوں پر کان دھرنا  
 شروع کیا۔

# پہلی جنگ عظیم

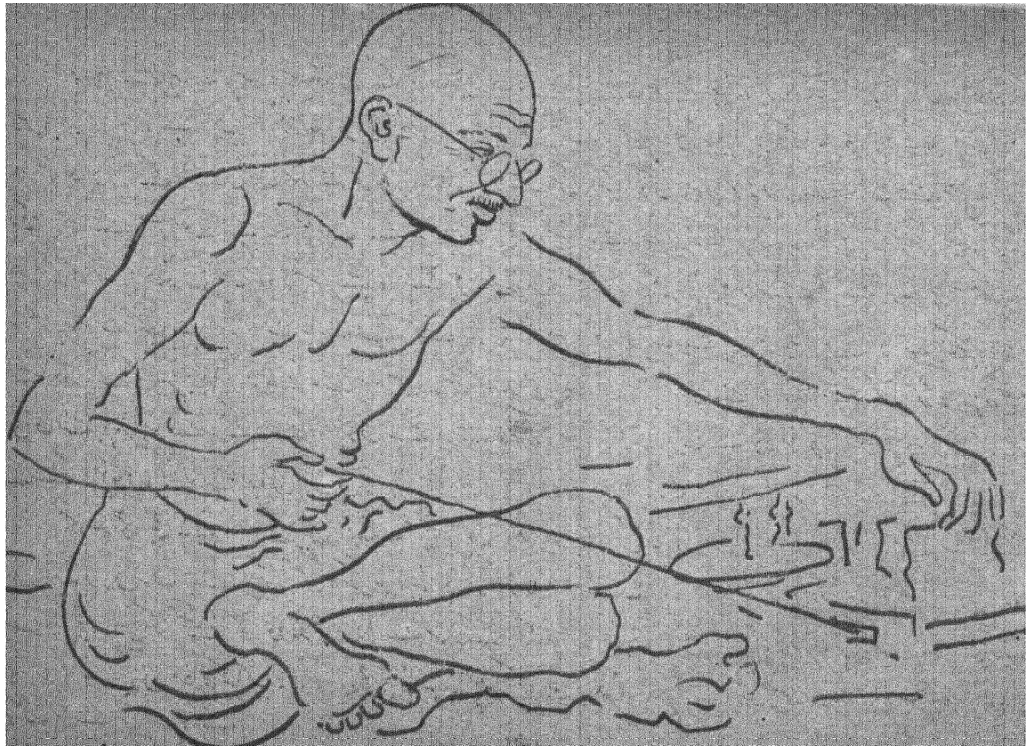
(۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک)

جب یورپ میں انگلینڈ اور جرمنی ایک دوسرے کے خلاف میدان جنگ میں کودے تو انگریزوں نے ہندوستان سے امداد طلب کی۔ انگریزوں نے وعدہ کیا کہ اگر ہندوستان کے سپاہی ان کی طرف سے لڑیں اور ہندوستانی ان کی مالی امداد کریں تو وہ جنگ فتح پانے کے بعد ہندوستان کو آزاد کر دیں گے۔

ہمارے سپاہیوں نے اس جنگ میں سر و صرطکی بازی لگا دی اور ہم نے دل کھول کر روپیہ پیسہ دیا۔ لیکن جب جنگ ختم ہوئی اور انگریزوں کو فتح نصیب ہوئی تو انہوں نے اپنے وعدے سے منہ موڑ لیا انہوں نے کہا کہ ہم ہندوستانیوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ بجائے آزادی دینے کے انہوں نے رولٹ بل (کالا قانون) بنایا۔ اس قانون کی رو سے لوگ آپس میں مل جل کر آزادی سے بات چیت کرنے سے مجبور ہو گئے کیونکہ پولیس انہیں فوراً گرفتار کر لیتی تھی۔

# مہاتما گاندھی

مہاتما موہن داس کرم چند گاندھی نے اس کالے قانون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ وہ کانٹھیا واڑ کے ایک شریف گھرانے کے فرزند تھے۔ انگلینڈ جا کر انہوں نے وکالت کی ڈگری حاصل کی تھی۔ اس کے بعد وہ جنوبی افریقہ چلے گئے۔ یہاں گورے لوگ "کالے ہندوستانیوں" کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کرتے تھے۔ اپنے بھائیوں کی اس حالتِ زلزلہ کو دیکھ کر انہوں نے وہاں کی ظالم سرکار کا بڑی جوا نمرودی سے مقابلہ کیا اور اس سلسلے میں کئی مرتبہ جیل بھی گئے۔ اب مہاتما گاندھی نے ہندوستانیوں کو عدم تعاون اور ایسٹا (عدم تشدد) کی تعلیم دی۔ عدم تعاون کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستانی انگریز حاکموں سے قطع تعلق کر لیں اور انھیں کسی قلم کی مدد نہ دیں۔ لیکن ساتھ ساتھ پرامن بھی رہیں۔ انگریز کتنا ہی ظلم کریں لیکن وہ ان کے اوپر ہاتھ نہ اٹھائیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ووٹوں کو راست گوئی کی تعلیم دی۔ ان کی ان باتوں کو دیکھ کر لوگ انھیں "مہاتما" کہنے لگے۔



کچھ عرصے بعد وہ ہندوستان کے بہت بڑے اور ہر دل عزیز لیڈر بن گئے۔ حتیٰ کہ اس زمانے کو جس میں کہ ہم رہتے ہیں "گانڈھی جی کا زمانہ" کہا جاتا ہے۔ ساری دنیا میں گانڈھی جی کے اہنسا اور عدم تعاون کے اصولوں کی سنہرت ہو گئی۔ ہمارے ملک کے مردوں اور عورتوں نے ملک سے محبت کرنا ان ہی سے سیکھا ہے۔ انہوں نے نہ صرف ہمیں سیدھے سادے ڈھنگ سے زندگی بسر کرنا، چرخ کا تنا، کھد رہنا اور تیسرے درجے میں سفر کرنا سکھایا بلکہ غریبوں سے محبت کرنا بھی سکھایا۔ انہیں چھوت چھات اور ذات پات سے سخت نفرت تھی۔ اعلیٰ ذات کے ہندو جو ادنیٰ ذات کے ہندوؤں سے حضارت آمیز برتاؤ کرتے تھے، اس سے گانڈھی جی سخت متنفر تھے۔ ملک کے کروڑوں ہریجنوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے انہوں نے برت رکھے اور چھوت چھات کی بری رسم کو دور کرنے کے لئے انہوں نے لڑائیاں لڑیں۔

گانڈھی جی نے دنیا کی پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں کی مدد کی تھی۔ لیکن جنگ کے خاتمہ کے بعد لیڈروں نے جب دیکھا کہ انگریز اپنا وعدہ پورا نہیں کرتے اور لوگ بل جمل کر آزادی سے بات چیت بھی نہیں کر سکتے تو گانڈھی جی نے سارے ملک میں ہڑتال کرادی۔ اور ہڑتال کے لئے ۶ اپریل ۱۹۱۹ء کا دن مفقو کیا گیا۔ گانڈھی جی پنجاب پہنچنے کے لئے سفر کر رہے تھے کہ انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اس پر لوگ بڑے برہم ہوئے۔

# جلیان والا باغ

امر نسر میں ایک جھوٹا سا باغ ہے، جس کے ارد گرد دیوار کھڑی ہے۔ اندر داخل ہونے کے لئے صرف ایک تنگ راستہ ہے۔ اسے جلیان والا باغ کہتے ہیں۔ اس باغ میں عوام اپنے لیڈروں کی تقریریں سننے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ عوام کے اس مجمع میں مرد، عورت، بچے اور بوڑھے سب ہی موجود تھے۔ انگریزی فوج کا ایک افسر جنرل ڈائر یہاں پہنچا اور باغ کے دروازے پر ایک مشین گن لگوا دی۔ لوگوں سے گھر جانے کے لئے کہے بغیر اور بغیر کسی تنبیہ کے اس نے گولی چلوا دی۔ اس طرح تقریباً تین سو آدمی ہلاک ہوئے اور ہزاروں زخمی۔ ڈائر چلا گیا لیکن باغ میں زخمیوں کی مرہم پٹی تک کی اجازت نہ دی گئی۔ زخمی تمام رات لاسٹوں کے درمیان درد و کرب سے چیختے اور چلا تے رہے۔ اور پانی کے لئے ترستے رہے۔

اس سانحہ عظیم کے معجزوں بعد تک انگریزی سرکار پنجاب کے باشندوں پر مظالم کے پہاڑ نڈھکی رہی۔ طالب علموں کو اسکولوں میں حاضری دینے کے لئے میلوں پیدل چلایا گیا۔ اور کچھ

لوگوں کو سپیٹ کے بل ریگلوایا گیا۔

اس ظلم و جور کی خبریں ملک کے طول و عرض میں آگ کی مانند پھیل گئیں۔ سارے ملک میں ایک کہرام مچ گیا۔ شاعر اعظم رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنا "سر" کا خطاب جو انھیں انگریزی حکومت سے ملا تھا، واپس کر دیا۔ ان کے خیال میں یہ خطاب نہیں بلکہ ذلت اور بے عزتی کا تمغہ تھا۔

## ہندو مسلم بھائی بھائی

ان افسوس ناک واقعات کا اثر یہ ہوا کہ ہندو مسلمان ایک دوسرے کے زیادہ قریب آ گئے۔ جہاننا گاندھی نے نعرہ لگایا "ہندو مسلم کی جے" اور کہا اس نعرے کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے۔ اس اشارے میں کانگریس ایک مضبوط اور بااثر جماعت بن گئی۔ ہماری تخریب آزادی کے بہت سے بڑے لیڈر تھے۔ جہاننا گاندھی ان لیڈروں میں سب سے ممتاز لیڈر تھے۔ پنڈت مونی لال نہرو، دیش بندھو سی۔ آر۔ داس، وٹھل بھائی پیٹیل، اور ولجھ بھائی پیٹیل، سر وصنی نائیڈو، مولانا محمد علی، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، سی۔ راج گویا، لالہ لاجپت رائے اور مولانا ابوالکلام آزاد

جیسے قابل لیڈر ہاتھ کا گاندھی کے ساتھی تھے۔ وائسرائے ہند چیمپفورڈ اور سکریٹری مائیکو نے ہندوستان کے لیڈروں پر مشتمل ایک پارلیامنٹ بنائی۔ جس میں ہندوستانوں کو حکومت کے کاموں پر نکتہ چینی اور بحث و تخیلی کا حق دیا گیا۔ لیکن ہمارے دوران میں لیڈروں نے فوراً تاثر لیا کہ اس طرح کی پارلیامنٹ ایک فریب اور دھوکا ہوگا اور اس سے ملک کو چنداں فائدہ نہ پہنچے گا۔

اس کے بعد تقریباً بارہ سال تک ہندوستان کے لوگ گاندھی جی کی قیادت میں اہنسا کے اصولوں کی پابندی کرتے اور آزادی کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ اور کئی دفعہ انگریزوں کے خلاف اٹھے۔ اس دوران میں جو اہرلال ہنرہ اور سبھا ش چندر بوس جیسے دانش مند لیڈر ہندوستان کی سیاست کے میدان میں آئے۔

## ٹریڈ یونینیں (مزدور سبھائیں)

اس وقت کارخانے کے مزدوروں کی حالت نہایت خراب اور ناگفتہ بہ تھی۔ انہوں نے اپنے حقوق کا مطالبہ شروع کیا یہ لوگ اپنے گاؤں چھوڑ چھوڑ کر شہر آتے تھے۔ اور کارخانوں میں جیسے نئے کام شروع کر دیتے تھے کیونکہ گاؤں میں ان کی زمینیں ان کے ہاتھوں سے نکل گئی تھیں۔ شہروں میں وہ اسی تنگ و تاریک کوٹھیوں میں رہتے تھے جن میں جانور بھی رہنا پسند نہ کریں۔ ان سے بہت دیر تک کام لیا جاتا تھا اور نہایت قلیل مزدوری دی جاتی تھی۔ مزدوروں کے داروغہ اور سود خور بننے لگے ان کا خون چوستے تھے۔

کچھ نوجوانوں نے ان کی حالت کو بہتر بنانے اور ان میں تنظیم پیدا کرنے کی کوشش کی اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے مزدور سبھائیں قائم کیں۔ یورپ کے ملکوں میں اس قسم کی بے شمار سبھائیں ہیں اور روس میں تو ایسی سبھائیں ہر بڑے شہر میں موجود ہیں اور ان ہی کی مدد سے مزدوروں کے لیڈر لیبن نے اکتوبر ۱۹۱۷ء میں سارے ملک میں مزدوروں کی حکومت قائم کی۔

انگریز یہ برداشت نہ کر سکے کہ اس قسم کی سبھائیں اور جماعتیں ہندوستان میں بھی قائم ہوں۔ انہوں نے مزدوروں کے لیڈروں کو بادشاہ کے خلاف بغاوت کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ ان لیڈروں میں سے اٹھارہ لیڈروں کو پانچ سال تک قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ ان پر میرٹھ میں مقدمہ چلایا گیا کچھ لیڈروں کو اور بھی لمبی مدت کے لئے قید کی سزائیں دی گئیں۔ دنیا بھر کے مزدوروں نے ان سے ہمدردی کا اظہار کیا اور آ خر کار سرکار کو مجبوراً انہیں چھوڑنا پڑا۔ اس جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ مزدوروں کو اس قسم کی جماعتیں بنانے کا حق مل گیا۔

## بھگت سنگھ

لیکن ملک کے نوجوان آزادی حاصل کرنے کے لئے مضطرب تھے۔ وہ انہماک کے ذریعہ نہیں بلکہ ملک کو توپ، بندوق اور بموں کے ذریعہ انگریزوں سے خالی کرانا چاہتے تھے۔ بنگال اور جہاں اشتر میں بہت سے ایسے جیالے نوجوان ہوئے جنہوں نے ملک کی خاطر پر دانہ وارا اپنی جانیں قربان کر دیں۔ پنجاب کا



بھگت سنگھ بھی ایسے ہی نوجوانوں میں سے ایک تھا۔ جس نے بڑی بہادری سے اپنی جان مادرِ وطن کے قدموں میں نثار کر دی۔ پنجاب کے مستہور لیڈر لالہ لاجپت رائے کو پولیس نے لاکھٹوں سے بڑی طرح زد و کوب کیا۔ اس ظلم اور ذلت سے متاثر ہو کر بھگت سنگھ نے ایک تدبیر بنائی اور کچھ پولیس والوں پر حملہ کر دیا۔

پولیس بھگت سنگھ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پکڑ گئی ایک دن پولیس کو معلوم ہوا کہ بھگت سنگھ لاہور میں ہے۔ انہوں نے سارے شہر کے ارد گرد گھیرا ڈال دیا اور ریلوے اسٹیشن پر سی۔ آئی۔ ڈی گکادی بھگت

سنگھ ایک فوجی کپتان کے لباس میں اسٹیشن پر آیا، اس کے ساتھ ایک خوب صورت عورت تھی۔ اس نے فرسٹ کلاس کے ٹکٹ خریدے۔ سی۔ آئی۔ ڈی والے اسے نہ پہچان سکے۔ بھگت سنگھ گاڑی میں

سوار ہو گیا۔ گاڑی نے وسل دی اور روانہ ہو گئی۔ بھگت سنگھ پولیس کے چنگل سے صاف بچ کر نکل گیا۔

بنگال میں انگریزوں سے نفرت کا اظہار بڑی شدت سے کیا گیا یہاں تک کہ وہاں کی کچھ بہادر لڑکیوں نے انگریزوں پر بم بھی پھینکے۔ ان منگلے نوجوانوں، لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے وطن سے بی محبت تھی لیکن ان کا یہ خیال کہ وہ اس بے ہنگم طریقے سے مار دھاڑ کے ذریعہ انگریزوں کو ملک سے نکال دیں گے، غلط تھا۔ اس لئے گاندھی جی نے ان کی دلیری اور حب الوطنی کی تو تقریف کی لیکن انہوں نے کہا کہ وہ لوگ تشدد سے کام نہ لیں۔ آخر کار بھگت سنگھ گرفتار کر لیا گیا اور اسے انگریزی حاکموں نے پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا۔ گاندھی جی نے والسرائے سے درخواست کی کہ وہ بھگت سنگھ کو معاف کر دے۔

جب بھگت سنگھ کو پھانسی دیدی گئی تو جو اہل لال نہرو نے فرمایا ”بھگت سنگھ کی یاد ہمارے اور انگریزوں کی حکومت کے درمیان ہمیشہ دیوار بن کر حاصل رہے گی۔“

# اہنسا کی دوسری لڑائیاں

اس واقعے کے بارہ سال بعد تک گاندھی جی نے اپنے مخصوص طریقے پر انگریزوں کے خلاف اہنسا کی لڑائیاں جاری رکھیں۔ ان لڑائیوں میں سے ایک لڑائی کے واقعات سے ظاہر ہو جائے گا کہ گاندھی جی کا انگریزوں کے خلاف طریقہ جنگ کتنا اذکھا تھا :

یہ امر ہر آدمی بخوبی جانتا ہے کہ کھانے میں نمک کی آمیزش سے کھانا لذیذ اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ غریب ہندوستانیوں کے پاس نمک کے علاوہ اور دوسرے مسالے تو کھتے نہیں جن سے وہ اپنے کھانوں کو مزیدار بناتے۔ انگریزی حکومت نے نمک جیسی ضروری چیز پر بھی بہت زیادہ محصول لگا رکھا تھا۔ اس محصول کو گاندھی جی ایک ظلم اور نا انصافی سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اعلان کیا کہ وہ اپنے ہاتھ سے نمک بنائیں گے۔ لیکن اس طرح نمک بنانا خلاف قانون تھا۔ اب سرکار سے جنگ کرنے کا ایک عجیب طریقہ نکل آیا۔ گاندھی جی، سردجینی نائیڈ اور دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ نمک سازی کے لئے ڈانڈی نام کے ایک چھوٹے سے گاؤں کی طرف چل پڑے جو ساحل سمندر پر آباد تھا۔ وہاں انہوں نے

سمندری پانی سے نمک بنایا۔ سرکار نے انھیں گرفتار کر لیا۔ لیکن دوسرے دن ملک کے طول و عرض میں لوگوں نے زبردست ہڑتال کر دی اور ہزاروں آدمی بخوشی جیل چلے گئے۔ اب برطانوی حکومت نے سوچا کہ گاندھی جی سے سمجھوتہ کر لینا چاہئے۔ گاندھی جی لارڈ اور ونڈر اس سے ہند سے گفت و شنید کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اور اس سلسلے میں وہ لندن بھی گئے۔ لیکن انگریزوں کے قول و فعل میں بڑا تضاد تھا، انہوں نے کہا کچھ اور کیا کچھ! عام لوگوں کے ساتھ ان کا برتاؤ پہلے کی طرح ہی سخت اور ناگوار رہا۔

لندن سے واپسی پر گاندھی جی نے ۱۹۳۲ء میں پھر ستیہ گرہ کی تحریک شروع کر دی۔ اس مرتبہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ جیل چلے گئے۔ پولیس نے عورتوں تک کو معاف نہ کیا اور بری طرح پٹیا حتیٰ کہ جوہر لال نہرو کی ضعیف اور ناتواں ماں کو لاکھٹیوں سے پٹیا گیا۔ ساتھ ساتھ انگریز مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف مشتعل کرتے رہے۔

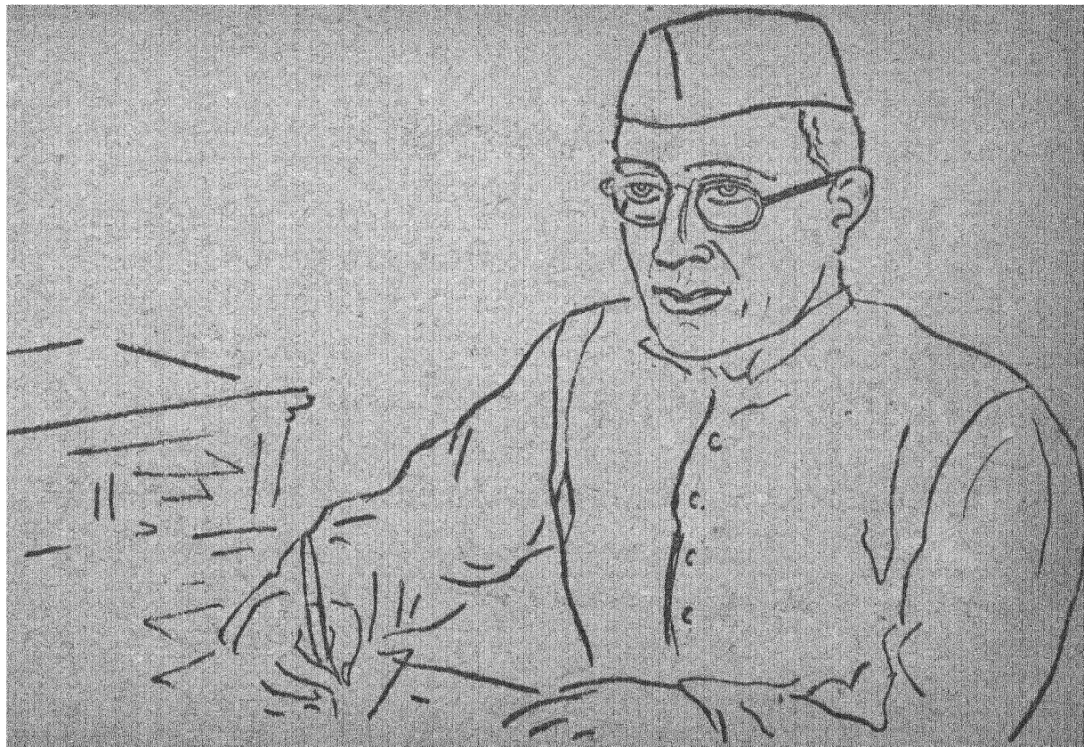
معلوم ہوتا تھا کہ گاندھی جی کا مشہور نعرہ ”ہندو مسلم کی جے“ لوگ بھول چکے تھے۔ کچھ متعصب مسلمان لیڈروں نے غریب اور بے کار مسلمانوں کے دلوں میں ہندوؤں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کئے۔ اس کے جواب میں کٹر مہاسبھائی ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف پرچار کرنے پر کمر باندھ لی۔

کچھ ہما سبھائی ہندو کانگریس میں آکر شامل ہو گئے اس پر کٹر مسلمان لیڈروں نے شور مچایا کہ کانگریس  
 صرف ہندوؤں کی جماعت ہے۔ اور یہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ لیکن گانڈی اور کارکنوں  
 میں ہندو اور مسلمان کسان اور مزدور اسی طرح بل جمل کر رہتے رہے۔ انہوں نے اس قسم کی کسی بات  
 پر کان نہ دھرا۔ ہندوستان کے عوام نے، جس میں ہندو اور مسلمان سب ہی شامل تھے، آزادی کی  
 جنگ جاری رکھی۔ باردولی کی شاندار اہمیت کی جنگ نے ہمارے عوام کا نام روشن کر دیا۔ انگریزوں نے  
 اور حکومت میں اصلاحات کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن انگریزوں کے وزیر اعلیٰ نے کہا "ہندوستانوں  
 کو جو اختیارات دئے جائیں گے وہ صرف اسی مقصد کے لئے استعمال ہو سکیں گے جنہیں ہم چاہیں گے"  
 ۱۹۳۷ء میں کانگریس نے الگشن لڑا اور گیارہ صوبوں میں سے نو صوبوں میں کانگریس کامیاب  
 ہوئی۔ اور ان صوبوں میں کانگریس کی وزارتوں کی تشکیل کی گئی۔ لیکن ہمارے لیڈروں نے دہلی کی مرکزی  
 حکومت میں جگہ لینا منظور نہ کیا کیونکہ انگریزوں کی یہ چال تھی کہ ریاستوں کے نمائندے ان کے اپنے  
 پھٹو ہوں گے اور باقی نمائندوں کو لوگ منتخب کریں گے۔ یہ بات جمہوریت کے اصولوں کے منافی تھی۔  
 اس لئے دہلی میں ایسی کوئی پارلیمنٹ قائم نہ ہو سکی جس کے نمائندوں کو عوام نے چنا ہو۔

# جواہرلال نہرو

مہاتما گاندھی کے بعد ہمارے سب سے بڑے لیڈر جواہرلال نہرو تسلیم کئے گئے۔ وہ جنگ آزادی کے ایسے مچھلے سپاہی ہیں جنہوں نے ملک کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ وہ ہندوستانیوں سے ہی نہیں بلکہ دنیا کے سب حریت پسند لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے اس چیز کا بغور مشاہدہ کرنے کے لئے کہ دنیا کے دوسرے ملکوں میں لوگ آزادی اور جمہوریت کے لئے کس طرح جنگ کر رہے ہیں، ساری دنیا کا سفر کیا۔ ان کی قیادت میں ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ اور قومی ہو گیا۔

کانگریس ایک طاقتور اور بااقتدار جماعت بن گئی اور کانوں اور مزدوروں کے بہت سے نمائندے بھی اس میں شریک ہو گئے۔



# مذہبِ خطرے میں

کچھ دولت مند اور سرمایہ دار ہندوستانیوں کو، جن میں ہندو اور مسلمان دونوں ہی شامل تھے، ہمارے نوجوانوں کا یہ اتحاد ناگوار گزرا۔ انہوں نے اپنی اپنی قوموں میں نعرہ بلند کیا کہ ہمارا مذہب سخت خطرے میں ہے، دوسری قوم ہماری قوم کے مذہب کو ختم کرنا چاہتی ہے۔

انگریز اور تنگ نظر مسلمان اور ہندو تو اس فکر میں ہی تھے کہ کس طرح ہندوستانیوں میں پھوٹ ڈالی جائے، ان لوگوں نے ان متعصب ہندو اور مسلمان سرمایہ داروں کے کام کو اور آسان بنا دیا۔ درحقیقت اس وقت ہندو اور مسلمان دونوں ہی بھوکے تھے اور بھوک کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ بے چارے بھوکے آدمی مدت تک بھوکوں رہنے کی وجہ سے مایوس اور بددل ہو جاتے ہیں، ان تنگ نظر اور متعصب ہندوؤں اور مسلمانوں نے ان غریبوں اور بھوکوں کے دلوں میں زہر بھر دیا۔ ایک کو دوسرے کے خلاف متنفر کر دیا۔ وہ ایک دوسرے کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے۔

# محمد علی جناح

محمد علی جناح پہلے کانگریس میں تھے۔ کانگریس میں رہ کر انہوں نے اچھی خدمات کی تھیں۔ بعد میں وہ کانگریس سے علیحدہ ہو گئے اور مسلم لیگ کے لیڈر بن گئے۔ پہلے تو انہیں امید تھی کہ مسلمانوں کے حقوق کا پورا خیال رکھا جائے گا لیکن جب کچھ متعصب ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ برا سلوک کیا تو انہوں نے کہا کہ تمام ہندو مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ جناح صاحب نے غریب مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ مذہب کا درجہ روٹی سے پہلے ہونا چاہئے۔ انہوں نے کانگریس سے کہا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں جو کبھی ایک نہیں ہو سکتیں اور مسلمانوں کی طرف سے یہ مطالبہ مہین کیا کہ ان کے لئے ایک علیحدہ سلطنت کی تشکیل کی جائے جس کا نام پاکستان ہو۔

# دوسری جنگ عظیم

(۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک)

جرمنی میں ہٹلر نام کے ایک ظالم شخص نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ انہیں دنوں اٹلی میں مسولینی نام کا ایک ظالم ڈکٹیٹر حکومت کر رہا تھا۔ دوسری طرف جاپان میں سرمایہ داروں اور فوجی جنرلوں نے حکومت پر اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ ان تینوں طاقتوں نے مل کر دنیا کو تسخیر کرنے کا ارادہ کیا۔ پہلے تو انگلینڈ نے ان طاقتوں کی حمایت کی۔ کیونکہ انگلینڈ، اٹلی، جرمنی اور جاپان کے سرمایہ دار ایک دوسرے کے دوست تھے۔ وہ آپس میں تجارت کے ذریعہ خوب دولت کماتے تھے۔ امریکی سرمایہ داروں نے بھی ان کی مدد کی۔ لیکن دنیا کے سب نیک دل لوگ ان کے خلاف تھے۔ ان میں سے بہت سے جمہوریت پسند لوگوں نے کہا کہ دنیا کے ہر ملک میں وہاں کی جنتا کو حکومت کرنی چاہیے۔ لیکن دنیا کے ہر ملک میں بااثر طبقے نے ان جمہوریت پسندوں کی آواز کو دبا دیا۔ ہٹلر کی فوجیں جارحانہ قدم اٹھانے لگیں۔ انہوں نے پڑوسی ملکوں کو پامال کرنا شروع

کر دیا۔ جب یہ فوجیں ملک پر ممکن فتح کرتی ہوئی انگلینڈ کی جانب بڑھیں تو انگلینڈ والوں کو خطاہ محسوس ہوا اور انہوں نے اپنے ملک کی حفاظت کے لئے جرمنی سے جنگ چھیڑ دی۔ انگلینڈ کے نیک دل لوگوں نے ہمیشہ جمہوریت اور آزادی کی حمایت کی ہے۔ لیکن حکمران طبقے نے ان کی ایک نہ سنی۔ آخر کار حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آگئی اور جنگ شروع ہو گئی۔

برطانوی حکومت نے ہندوستان کو بغیر آزادی یا جمہوری حقوق دیتے اور بغیر اس سے پوچھے اسے اس بڑی جنگ کی بھیجی میں ڈھکیل دیا۔

انگلینڈ والے کہتے تھے کہ ہندوستانی ہمارے ساتھ مل کر آزادی اور جمہوریت کے لئے جنگ کر رہے ہیں لیکن خود ہندوستان کی آزادی اور جمہوریت کو ٹال دیتے تھے۔

ہمارے رہنما ہٹلر، مسولینی اور جاپانی فوجی درندوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اسلئے پنڈت ہنرو نے انگریزوں سے کہا کہ اس جنگ میں ہندوستان انگریزوں کا اس شرط پر ساتھ دے گا کہ اسے فوراً آزاد کر دیا جائے۔ انگریزوں نے یہ شرط نامنظور کر دی۔

اس لئے ہانٹاگانڈھی کو ایک مرتبہ پھر اہنسا کی لڑائی لڑنی پڑی۔

لیکن انگریزوں نے پھر بھی نہ سنی۔ ہٹلر اور جاپان کی فوجیں ابھی ہر جگہ شکست فاش دے

رہی تھیں۔ وہ نعرہ لگانے لگے کہ وہ آزادی اور جمہوریت کے لئے جہاد کر رہے ہیں لیکن خود ہندوستان کی آزادی کا نام سن کر خاموش ہو جاتے تھے۔

ہٹلر نے اب روس پر حملہ کر دیا۔ اس وقت ہیڈت ہندو نے ایک بار پھر انگریزی حکومت سے کہا کہ اگر تم ہمیں آزاد کر دو تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔

اُدھر جاپانیوں نے جو گزشتہ نو سال سے چین سے برسرِ پیکار تھے، پرل ہاربر کے مقام پر امریکنوں سے جنگ چھیڑ دی۔

نہ صرف یہی بلکہ جاپانیوں نے انگریزوں کے ہاتھوں سے ہانگ کانگ، برما، اور ملایا اور ڈچوں سے انڈونیشیا خالی کر لیا۔

اس طرح اس ہولناک جنگ کے شعلے ساری دنیا میں پھیل گئے۔

# مسٹر چرچل

اب انگریزوں کو خطرے کا شدید احساس ہوا۔ ان دنوں مسٹر چرچل انگلینڈ کے وزیر اعلیٰ تھے۔ یہ ہندوستان کی آزادی کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ لیکن اس بار حالات کی نزاکت کے تحت انہیں بھی جھکنا پڑا۔

چرچل نے سر اسٹیفورڈ ڈکریس کو ہمارے لیڈروں سے تبادلہ خیالات کرنے کے لئے ہندوستان روانہ کیا۔ ڈکریس ہندوستانیوں کو حقیقی اختیارات دینے پر رضامند نہ ہوئے۔ وہ اصل اختیارات کی باگ ڈور والسرائے کے ہاتھ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے ہندوستانی لیڈروں اور ان کے نامین کسی قسم کا سمجھوتہ نہ ہو سکا۔

## ”ہندوستان چھوڑ دو“

مہاتما گاندھی نے اب کھلے لفظوں میں انگریزوں کو خبردار کیا کہ وہ فوراً ہندوستان چھوڑ دیں۔ اس پر انگریزی سرکار نے ۹ اگست ۱۹۴۲ء کو سارے بڑے بڑے لیڈروں کو جیل میں ڈال دیا۔ تمام ملک میں سنسنی پھیل گئی۔ ہر جگہ غم اور غصہ کا اظہار کیا گیا۔ ہندوستانی عوام انگریز سرکار کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں کے ملک کے ہر گوشے میں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

دوران جنگ میں انگریزی سرکار نے ہندوستان اور ہندوستانیوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ نتیجہ کے طور پر بمکال میں ایک بھیانک قحط پڑا۔ پچاس لاکھ آدمی قحط سے مر گئے اور ملک کے عوام انگریزی حکومت سے سخت بد دل اور متنفر ہو گئے

# سبھاش چندر بوس اور آزاد ہند فوج

جنگ عظیم کے شروع ہونے کے تھوڑے عرصے بعد انگریز گورنمنٹ نے بنگال کے ہرول عزیز لیڈر سبھاش چندر بوس پر سخت پہرہ لگا دیا۔ سبھاش بوس بڑے نڈر، بے باک اور ملک کے سچے خادم تھے۔ وہ بھیس بدل کر ہندوستان سے نکل گئے اور ملک کی آزادی کے لئے مدد حاصل کرنے کے واسطے ساری دنیا کا دورہ کیا۔ دوسرے ملکوں میں رہنے والے ہندوستانیوں نے سبھاش بوس کی مالی امداد کی اور ان کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ اس فوج کا نام "آزاد ہند فوج" رکھا گیا۔ سبھاش بوس فوج جمع کر کے سیام کے مقام بینگ کاک پہنچے اور وہاں سے ان کی فوجوں نے ہندوستان کی جانب پیش قدمی کی۔

# جنگ کا خاتمہ

روس کی فوجوں نے جرمنوں کو ہزاروں میل ڈھکیں کر برلن میں قدم رکھا، انگریزی اور امریکی فوجیں جو فرانس اور اطالی میں اتر چکی تھیں، اب جرمنی میں داخل ہوئیں اور روسی فوجوں سے مل گئیں۔ اس طرح ہٹلر اور مسولینی کو شکست ہوئی۔

اس کے فوراً بعد اتحادیوں نے یعنی روس، برطانیہ اور امریکہ نے جاپان پر حملہ کر دیا۔ امریکی سائنس دانوں نے جرمن سائنسدانوں کی مدد سے کچھ عرصہ پیشتر دنیا کو تباہ و برباد کرنے والا سب سے مہلک ہتھیار " ایٹم بم " تیار کر لیا تھا۔ امریکی فوجیوں نے دوسری اتحادی طاقتوں کو مطلع کئے بغیر جاپان کے شہروں پر یہ خطرناک بم گراتے۔ یہ بم معمولی بموں کے مقابلے میں بہت زیادہ تباہ کن اور خطرناک تھے۔ اس سے ہزاروں آدمی چشم زون میں ہلاک ہو گئے اور کثیر مالی نقصان ہوا۔ اتحادی فوجیں سرعت سے جاپان کی طرف بڑھیں، معاملے کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے جاپان نے ہتھیار ڈال دیئے اس طرح دنیا کی دوسری جنگ عظیم کا اظتمام ہوا۔

# ہمارے ملک کے باشندوں کی حالت

ہمارے ملک کے باشندے اب بھی مصیبت میں مبتلا تھے۔ ان کے دل میں انگریزی راج کے ظلمات و غم و غصہ کا طوفان مٹھا نہیں مازر رہا تھا لیکن چرچل نے اب بھی کوئی پروا نہ کی۔ اس کے بعد انگلینڈ میں عام انتخابات ہوئے، جس میں چرچل اور ان کے ساتھیوں کی جماعت ہار گئی۔ برطانوی لیبر پارٹی کامیاب ہوئی۔ اور عنانِ حکومت چرچل کے ہاتھوں سے نکل کر لیبر پارٹی کے ہاتھوں میں آگئی۔ لیکن ہندوستان میں سرکار کی وہی نامنصفانہ روش رہی۔ آزاد ہند فوج کے سپاہی گرفتار کر لئے گئے اور ان پر مقدمہ دائر کیا گیا۔ سبھا سن بوس کے متعلق اطلاع ملی کہ جاپان جاتے ہوئے ان کا جہاز گر گیا اور اس طرح وہ انتقال کر گئے۔

آزاد ہند فوج کے سپاہیوں پر چلائے گئے مقدمہ کے سلسلے میں پنڈت نہرو اور کانگریس نے ان کی زبردست حمایت کی۔ کانگریس کے ایک مشہور لیڈر بھولا بھائی دپائی نے، جو ایک کامیاب وکیل تھے، ان ملزموں کی قانونی پیروی کی۔ سارے ملک میں حکومت کے اقدام کے خلاف نفرت کا

انہار کیا گیا۔ فوج کے سپاہیوں میں بھی سخت بے چینی اور کھلبلی پھیل گئی۔ بحری فوج کے سپاہی بھی اس بدلتے ہوئے برہم ہوئے کہ انہیں انگریز سپاہیوں کے مقابلے میں گھٹیا کھانا کیوں دیا جاتا ہے اور ان سے بڑا برتاؤ کیوں کیا جاتا ہے۔

پولیس کے سپاہیوں نے بھی تنخواہ میں اضافہ کے لئے ہڑتال کر دی۔ اور ایک بحری فوج کے بہادر سپاہیوں نے بمبئی اور کراچی کی بندرگاہوں میں جہازوں پر قبضہ کر لیا۔ اور عوام نے ان کی حمایت کی۔

بالآخر انگریزوں کو احساس ہوا کہ اب وہ ہندوستان میں نہیں ٹھہر سکتے۔ لیکن مسٹر جنرل اپنے مطالبے پر اڑے رہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ڈائریکٹ ایکشن یعنی کھلی کارروائی کے لئے آمادہ کیا۔ وہ کہتے تھے کہ ڈائریکٹ ایکشن انگریزوں کے سر اسر خلافت سے لیکن اب ہندو مسلم کشیدگی اتنی بڑھ چکی تھی کہ غنڈوں کو بڑی آسانی سے گڑ بڑ پھیلانے کے موقع مل گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سارے ملک میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ کلکتہ میں بڑا ہولناک فساد ہو گیا اور بعد میں بمبئی بنگال اور بہار میں ہندو مسلمان آپس میں مرنے لگنے لگے۔ ایک دوسرے کے گھر جلا کر رکھ کر دیے گئے اور بچوں تک کو بیدروی سے ذبح کر دیا گیا۔

# ملک کی تقسیم

اب اس قدر بھیاںک حالات پیدا ہو گئے جو انگریزوں کی "لٹراؤ اور حکومت کرو" کی پُرانی ذلیل پالیسی سے ہو سکتے تھے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کی تقسیم کی ایک تجویز تیار کی اور ملک کے نقشہ پر خون کی ایک لکیر پھیر کر دو حصوں میں بانٹ دیا گیا ایک ہندوین اور دوسرا پاکستان !  
 کانگریس کے لیڈروں نے یہ سوچ کر کہ اگر وہ اس تجویز کو منظور کر لیں گے تو یہ تباہی اور قتل و غارت گری ختم جائے گی اور لوگوں کو امن و امان نصیب ہو سکے گا، اس تجویز کو منظور کر لیا۔  
 اس طرح مسلم لیگ والوں کو مغربی پنجاب، شمالی مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور مشرقی بنگال دیدیا گیا اور پاکستان وجود میں آیا۔ دوسرے حصے کا نام ہندوین ہوا۔ انگریزی سرکار نے ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی ہندوستانی ریاستوں کے حکمرانوں کو پوری آزادی دیدی کہ جس مملکت میں چاہیں شامل ہوں یا بالکل آزاد رہیں۔ ان میں سے کچھ ریاستوں کے راجا نواب سمجھدار تھے، انہوں

اسی مملکت میں شمولیت کی جس کے لئے ان کی رعایا کہتی تھی لیکن بعض بیوقوف راجا فوجیوں نے رعایا کی بات نہ مانی۔

## ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہند اور پاکستان دو مملکتوں کا قیام ہوا۔ ہند میں یونین جیک کی بجائے ترینگا لہرایا گیا جسے دیکھ کر لوگ خوشی کے جامے میں پھولے نہ سمائے۔ لیکن یہ خوشی کچھ دیر پا ثابت نہ ہوئی۔

انگریزی حکومت نے ملک کے لوگوں کو تقسیم کے لئے پہلے سے آمادہ نہ کیا تھا۔ انہوں نے تقسیم کی تجویز منظور کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا۔ اور دونوں مملکتوں کی سرحدیں قائم کرنے میں دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پنجاب کے باشندے آپس میں مار کاٹ پر آمز آئے۔ مغربی پنجاب کے لاکھوں ہندو اور سکھ اپنا عزیز وطن اور گھر چھوڑ کر ہندوستان آنے پر مجبور ہوئے اور اسی طرح لاکھوں مسلمان ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے گئے۔ اس انتقال آبادی میں سیکڑوں راستے میں

مر گئے، ہزاروں مرد، عورتیں وحشیانہ طریقے سے قتل کر دیئے گئے۔ عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔  
 محصوم بچوں کو نہایت بیدردی سے کھل دیا گیا۔ اس وحشت اور بربریت میں ہندو، مسلمان اور سکھ  
 سب ہی برابر کے شریک تھے۔  
 لوگوں کے دل اور دماغ نفرت اور تشدد کے زہر سے بھر گئے اور سارے ملک پر خوفناک کالے  
 بادل چھا گئے۔

## ہماتما گاندھی کا قتل

ملک کی اس تباہی اور بربادی، لوٹ مار اور خون خرابے سے ہماتما گاندھی بڑے رنجیدہ ہوئے  
 انہوں نے مشرقی بنگال کے گاؤں گاؤں کا دورہ کیا اور لوگوں کو سمجھایا کہ وہ ایک دوسرے سے نفرت  
 کرنا چھوڑ دیں۔  
 کلکتہ میں تو حقیقتاً انہوں نے معجزہ کر دکھایا۔ کلکتہ میں فساد کے وقت وہ ایک مسلمان علاقے  
 میں جا کر ٹھہرے۔ چند متعصب ہندوان کی اس حرکت پر بہت برا فردختہ ہوئے۔ انہوں نے

گاندھی جی کو گالیاں دیں اور ان پر سچتر بھینکے۔ کلکتہ کے نیک دل اور بھلے لوگ ان کی اس وحشیانہ حرکت پر بہت ناراض ہوئے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اب آپس میں نہ لڑیں گے۔ کلکتہ کی سڑکوں پر ہزاروں ہندو مسلمان ایک دوسرے سے گلے مل گئے۔

یہاں سے گاندھی جی بہار گئے اور وہاں امن قائم کرایا۔ اس کے بعد انھیں دہلی جلا لیا گیا۔ دہلی میں اس وقت لاکھوں مشنر تھے آگئے تھے۔ وہ مسلمانوں کے خلاف مار کاٹ پر آمادہ تھے۔ دہلی کے منقصب ہندو اور سکھ بھی ان کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے مسلمانوں کو گاجرمولی کی طرح کا ٹٹا شروع کیا۔

ہندوستان کے کٹر ہندو اور منقصب سکھ یہ چاہتے تھے کہ جس طرح وہ اپنا وطن چھوڑ کر یہاں چلے آئے اسی طرح سب مسلمان ہندوستان سے نکل جائیں۔ لیکن مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو کی ہر ممکن کوشش یہی تھی کہ جو جہاں ہے وہیں رہے اور آپس میں میل ملاپ اور اتحاد قائم ہو جائے۔ جب لوگ اپنی ان بڑی حرکتوں سے باز نہ آئے تو گاندھی جی کو بڑا دکھ ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ دہلی میں ہندو اور سکھ مسلمانوں سے بڑی نفرت کرتے ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو سمجھایا کہ وہ اس خون ریزی سے باز آئیں۔ پاکستان اگر غلطی کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بھی وہی غلطی کریں۔ ہمارے بزرگ ہمیشہ غلطی کرنے والے کے ساتھ نرمی اور محبت کا برتاؤ کرتے آئے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے بزرگوں کی روایات کو زندہ رکھیں۔

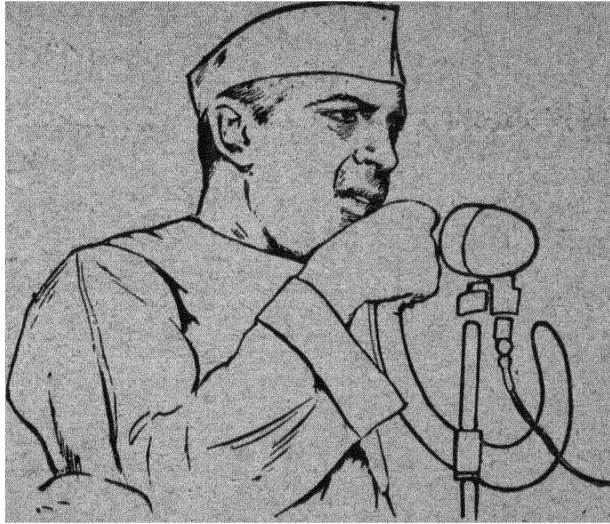
اس لئے انہوں نے من برت رکھا۔ انہوں نے لوگوں کو تنبیہ کی کہ اگر وہ آپس میں لڑنا جھگڑنا اور نفرت کرنا نہ چھوڑیں گے اور مسلمانوں کو پُر امن طریقے پر ہندوستان میں رہنے نہ دیں گے تو وہ اپنی جان دیدیں گے۔ برت کے جو تھے دن دہلی کے لوگوں نے کہا کہ وہ ہاتھ تاجی کے اصولوں پر علیں گے اور وہ اب آپس میں لڑائی جھگڑے سے باز آئیں گے۔ ہاتھ تاجی نے برت کھول دیا اور لوگ خوش ہو گئے۔

لیکن لاک کے حصوں میں کچھ شہر پسند ہندو اور سکھ ایسے بھی تھے جو ہاتھ تاجی سے نفرت اور نیراری کا اظہار کرنے لگے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان ہاتھ تاجی کے انمول وجود سے محروم ہو جائے۔ انہوں نے پنڈت ہنرد اور دوسرے بڑے لیڈروں کے خلاف بھی سازشوں کے جال بٹے۔

ایک دن تیسرے پہر ایک سر پہرے فوجوان نے ہاتھ تاجی بم پھینکا، لیکن ہاتھ تاجی بال بال بچ گئے اور بم ٹھوڑی دور جا پڑا۔ پنڈت ہنرد جب امرتسر میں ایک تقریر کر رہے تھے تو پولیس نے ایسے دو آدمیوں کو گرفتار کیا جن کی جیبوں میں بم موجود تھے۔

ہاتھ تاجی ۳۰ جنوری ۱۹۲۸ء کو شام کے پانچ بجے حسب معمول پھار تھنا سبھا میں پھیل آئے۔ جیسے ہی وہ چپو ترے کے قریب پہنچے، ایک فوجوان ان کے قریب آیا۔ یہ فوجوان جو ایک ہندو تھا، ہاتھ تاجی قدم بوسی کے بہانے نیچے جھکا، لیکن نیچے جھکتے ہی اس نے جیب سے پستول نکالا اور ہاتھ تاجی پر گولیاں





جس نے اس ملک کو منور کیا، معمولی روشنی نہ تھی — روشنی جس نے ہمارے ملک کو برسوں پر نور بنایا ہے، آئندہ بھی ساہا سال تک منور کرتی رہے گی۔ اور ہزاروں سال بعد بھی وہ روشنی ہندوستان میں موجود

ہوگی، دنیا اس چیز کو دیکھے گی۔ یہ روشنی بے شمار ٹوٹے دلوں کو تسلی اور تسخیر کی مومیا نئی سے جوڑے گی  
کیونکہ یہ روشنی صداقت کی روشنی تھی، اس کی بنیاد ابدی صداقت پر تھی، یہ ہمیں غلطیوں کے گڑھوں سے  
نکال کر راہ راست پر لاتی رہی، اور اس نے ہمارے قدیم ملک کو آزادی کی منزل پر لاکھڑا کیا۔



چودھویں صدی سے سولہویں صدی تک

دکن میں پنڈیہ اور چولا  
سلطنتوں کی جگہ وچے نگر کی

سلطنت قائم ہوئی

پندرہویں صدی سے سولہویں صدی تک

بڑے بڑے سنت اور جہاں تہا ہوتے  
ویشنو، شیوا اور شکتی متوں کا پھیلنا

راماچ - رامانند

تلسی داس - ولیم

میرا پائی

تکارام

چیتنہ - کبیر

نانک

مغل سلطنت

سکھ مذہب کی بنیاد پڑی

بابر نامہ لکھا گیا

بابر

ہمایوں

۱۵۲۶ سے ۱۵۳۰ تک

۱۵۳۰ سے ۱۵۴۰ تک

۱۵۵۶ سے ۱۶۰۵ء تک

اکبر

ہندو مسلم اتحاد  
فتح پور سیکری بسائی گئی  
مغل اور راجپوت مصوری  
یورپ سے سوداگروں اور پادریوں کا آنا

اکبر نامہ لکھا گیا

ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام  
تاج محل - لال قلعہ اور جامع مسجد

شیواجی  
گر و گوند سنگھ

جہانگیر اور اسکی ملکہ نور جہاں

شاہجہاں

اورنگ زیب

۱۶۰۵ سے ۱۶۲۶ء تک

۱۶۲۶ سے ۱۶۵۸ء تک

۱۶۵۸ سے ۱۶۰۶ء تک

نادر شاہ کے ہاتھوں دہلی کی بربادی

کلا یو اور ہیسٹنگز

جنگ آزادی

۱۶۳۹ء

۱۶۵۶ سے ۱۶۸۵ء تک

۱۸۵۶ء

بلک کی بربادی  
شہنشاہ بہادر شاہ  
جھانسی کی رانی











